...کی صورت حال : ایک جائزہ، ایک تجزیہ

امیر تنظیم اسلامی ، ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک فکر انگیز خطاب . ص

وقد اخذ میثاقکم ان کنتم مؤمنین

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

۳۶-کے ماڈل ٹاؤن ، لاہور

PEPSI

MIRINDA

پنجاب بیوریجز کمپنی لمیٹڈ۔ فیصل آباد۔ فون: ۲۶۰۳۱ / ۲۳۹۳۱

Mohammad Younus

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد ۳۵

شمارہ ۵

جون ۱۹۸۶ء

بمطابق

شوال المکرم ۱۴۰۶ھ

زرِ سالانہ ۴۰/- روپے

فی شمارہ ۴/۰۰ روپے

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی

حافظ عاکف سعید

مکتبہ تنظیم اسلامی

۳۶-کے- ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴ فون ۸۵۲۶۸۳

سب آفس: ۱۱- داؤد منزل، نزد آرام باغ، شاہراہ لیاقت کراچی: فون ۲۱۶۵۸۷

مشمولات

عرضِ احوال ________ ۳
عاکف سعید

تذکرہ و تبصرہ ________ ۷
سندھ کی صورتِ حال: ایک جائزہ، ایک تجزیہ
ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب

الہدیٰ (۳۲ ویں نشست) ________ ۲۷
"حظِ عظیم" سورۃ حٰم السجدہ کی آیات کی روشنی میں
ڈاکٹر اسرار احمد

اسلامی انقلاب: مراحل، مدارج اور لوازم ________ ۳۳
فتحِ مُبین، صلح حدیبیہ (۲)
ڈاکٹر اسرار احمد

"استحکامِ پاکستان" __ ایک جائزہ ________ ۴۵
حکیم محمود احمد برکاتی

"استحکامِ پاکستان" پر چند خیالات ________ ۵۱
ڈاکٹر عبدالخالق

"استحکامِ پاکستان": ایک ہمہ گیر مُرقّع ________ ۵۹
مولانا خلیق احمد

"استحکامِ پاکستان" پر ریڈیو پاکستان کا تبصرہ ________ ۶۷
اقبال احمد صدیقی

رفتارِ کار ________ ۷۱
امیر تنظیم اسلامی کا دورہ سکھر و اندرونِ سندھ
نجیب صدیقی

سالانہ رپورٹ تنظیم اسلامی پاکستان ________ ۷۹
چودھری غلام محمد

افکار و آراء ________ ۸۸

(نوٹ: قرآن اکیڈمی میں نئے داخلوں سے متعلق اعلان صفحہ ۹۴ پر ملاحظہ فرمائیں)

عاکف سعید

عرضِ احوال

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

الحمدللہ، جون کا شمارہ پیشِ خدمت ہے۔ توقع ہے کہ عید الفطر کے باعث اگر ڈاک کے نظام میں کوئی بڑی رکاوٹ واقع نہ ہوئی تو یہ شمارہ عید سے قبل قارئین کے ہاتھوں میں ہوگا۔ ادارہ میثاق کی جانب سے قارئین کرام عید کی مبارکباد قبول فرمائیں، اقبال کے اس خوبصورت شعر کے ہدیہ کے ساتھ کہ ؎

شکوہِ عید کا منکر نہیں ہوں میں لیکن
قبولِ حق ہیں فقط مردِ حر کی تکبیریں!

اِس شمارے کا ایک اہم مضمون تو وہی ہے جس کا حوالہ سرورق پر دیا گیا ہے یعنی "سندھ کی صورتِ حال : ایک جائزہ!" یہ مضمون دراصل والدِ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ایک خطاب پر مشتمل ہے جو انہوں نے اندرونِ سندھ کے دورے سے واپسی پر ماہِ رمضان سے متصلاً قبل مسجد دارالسلام لاہور میں ارشاد فرمایا تھا۔ (محترم نجیب صدیقی صاحب کی مرتب کردہ اِس دورے کی ایک اجمالی رپورٹ بھی اسی شمارے میں شامل ہے۔) ـــــ سندھ کی پریشان کن صورتِ حال ہر ذی شعور مخلص پاکستانی کے لیے باعثِ تشویش ہے۔ اور اگرچہ اب تو سنسر کی پابندی ختم ہو جانے کے بعد اخبارات میں سندھ کی خبریں شائع ہو جاتی ہیں جن کے باعث اب ایک عام قاری بھی وہاں کے حالات کے بارے میں کسی قدر اندازہ قائم کر سکتا ہے۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ والدِ محترم نے آج سے ساڑھے چار سال قبل حالات کے رُخ کو دیکھتے ہوئے اپنے ایک مفصل خط کے ذریعے صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کو سندھ کے بارے میں اپنی تشویش سے آگاہ کر دیا تھا اور شدّت سے اس بات پر زور دیا تھا کہ ملک میں مثبت طور پر سیاسی عمل کا آغاز کیا جائے

لیکن اس سب کے باوجود ابھی تک محترم والدصاحب کو خود اندرونِ سندھ جاکر حالات کے مشاہدے کا موقع نہیں ملا تھا۔ چنانچہ اس اپریل میں جب اندرونِ سندھ جانے کا اتفاق ہوا اور وہاں کے تشویشناک اور حددرجہ سنگین حالات کو بچشمِ سر دیکھنے کا موقع ہوا تو اس سے فطری طور پر جو صدمہ پہنچا اس نے اُن کے اعصاب کو اس درجہ متاثر کیا کہ واپس آکر کئی دن تک طبیعت پر شدید اضمحلال طاری رہا۔

جیسا کہ قارئین کے علم میں ہے، ''استحکامِ پاکستان'' کے موضوع پر والدِ محترم کی مفصّل تحریر جو پہلے قسط وار روزنامہ ''جنگ'' میں اور پھر بالاقساط 'میثاق' میں شائع ہوئی، اب کتابی شکل میں چھپ کر آ چکی ہے ــــ اکثر احباب کے علم میں ہوگا کہ موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر اس مرتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن کے زیرِ اہتمام محاضراتِ قرآنی منعقدہ مارچ ۸۶ء میں ''استحکامِ پاکستان'' ہی کو موضوع بناتے ہوئے مذاکرے کی شکل میں پروگرام ترتیب دیا گیا تھا۔ یہ محاضرات چھ دنوں پر محیط تھے جن میں ہر مکتبۂ فکر کے اہلِ علم و دانش حضرات نے حصّہ لیا اور اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ یہ ایک مفید پروگرام تھا جس میں استحکامِ پاکستان سے متعلق ہر طبقۂ فکر اور طرزِ خیال کے لوگوں کا نقطۂ نظر سامعین کے سامنے آگیا۔ شرکائے مذاکرہ میں سے اکثر نے زبانی اظہارِ خیال کیا جبکہ بعض حضرات نے مقالات بھی پیش کیے۔ اِسی طرح کا ایک پروگرام بعد میں کراچی میں ترتیب دیا گیا۔ کراچی میں یہ پروگرام تاج محل کے آڈیٹوریم میں ۲۳ اپریل کی شام کو منعقد ہوا تھا ــــ ان 'مذاکروں' میں پیش کیے گئے مقالات کو ہم سلسلہ وار میثاق کے صفحات میں جگہ دیں گے، اس سلسلے کی پہلی اور بڑی قسط اِسی شمارے میں شامل کر دی گئی ہے۔

ماہِ رمضان المبارک کے دوران لاہور اور کراچی میں دورۂ ترجمۂ قرآن کے پروگراموں کے بارے میں جو اعلان گزشتہ میثاق میں شائع ہوا تھا، الحمدللہ کہ تمام پروگرام اُس کے مطابق ہو رہے ہیں۔ محترم والدصاحب کراچی میں ناظم آباد کے بلاک نمبر ۵ کی جامع مسجد میں نمازِ تراویح کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کا ترجمہ کا ترجمہ اور مختصر تشریح بیان فرما رہے ہیں جبکہ لاہور میں دو مقامات پر یہ پروگرام

چل رہا ہے، قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن میں پروفیسر حافظ احمد یار صاحب اور اور مرکزی دفتر تنظیم اسلامی گڑھی شاہو میں یہ فریضہ برادرم ڈاکٹر عبدالخالق صاحب انجام دے رہے ہیں۔ اللہ کے فضل اور توفیق سے یہ تینوں پروگرام کامیابی سے چل رہے ہیں۔ یہ رات بھر کا پروگرام ہوتا ہے اِس لیے کہ اِس کے اختتام پر اسی قدر موقع ہوتا ہے کہ سحری کر لی جائے۔ بہرحال اللہ کے کچھ بندے ہیں جنہیں اللہ نے یہ توفیق دی ہے کہ وہ اِس پروگرام میں شرکت کے ذریعے سے 'صیام' کے ساتھ ساتھ اپنے لیے 'قرآن' کو بھی 'شافع' بنا رہے ہیں۔ میرا اشارہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اُس 'فرمانِ مبارک' کی جانب ہے۔ جس میں آپؐ نے ایسے بندۂ مومن کے لیے خوشخبری دی ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے:

عن عبد اللہ بن عمرٍو انّ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم قال الصّیامُ والقرآنُ یشفعانِ للعبدِ یقول الصّیامُ ای ربِّ انّی منعتُہُ الطعامَ والشّھواتِ بالنّھارِ فشفّعنِی فیہِ و یقول القرآن منعتہُ النّومَ باللّیل فشفّعنی فیہ فیشفّعانِ ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: روزہ اور قرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے (یعنی اُس بندے کی جو دن میں روزے رکھتے گا اور رات میں اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر اُس کا پاک کلام قرآن مجید پڑھے گا یا سُنے گا!) روزہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! مَیں نے اس بندے کو کھانے پینے اور نفس کی خواہش پورا کرنے سے روکے رکھا تھا، آج میری سفارش اِس کے حق میں قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا کہ: مَیں نے اس کو رات کے سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا، خداوندا آج اِس کے حق میں میری سفارش قبول فرما!) چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش اِس بندہ کے حق میں قبول فرمائی جائے گی (اور اس کے لیے جنّت اور مغفرت کا فیصلہ فرما دیا جائے گا!) (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ADARTS-HRA-3/86

تذکرہ و تبصرہ

سندھ کی صورتِ حال

ایک جائزہ، ایک تجزیہ

دورۂ سندھ کے تاثرات پر مبنی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا ایک اہم خطاب

محترم حضرات و خواتین ـ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ حضرات کو اخباری اعلان کے ذریعہ معلوم ہو چکا ہے کہ میں آج اپنے خطبہ جمعہ میں سندھ کے دورہ کے تاثرات بیان کروں گا۔

صوبہ سندھ کے بڑے بڑے شہروں میں میرا آنا جانا ویسے تو کافی عرصہ سے ہے۔ کراچی سندھ ہی کا نہیں۔ بلکہ پورے پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسے سندھ نہیں کہا جا سکتا۔ وہاں غالب اکثریت مہاجرین کی ہے اور مہاجرین بھی کسی ایک جگہ کے نہیں بلکہ ہندوستان کے قریباً ہر صوبے اور مقام کے لوگ وہاں آباد ہیں اور پھر پنجاب اور سرحد کے لوگ بھی وہاں کافی تعداد میں آباد ہو چکے ہیں اور تقریباً یہی حال سندھ کے دوسرے بڑوں شہروں، حیدر آباد، سکھر، میرپور وغیرہ کا ہے۔ سندھ کے یہ جو بڑے بڑے شہر ہیں ان میں جاتے آنے سے مجھے ویسے تو وہاں کے حالات کا ایک حد تک اندازہ تھا۔ اسی بنا پر میں نے ضیاء الحق صاحب کو ایک خط ۲۷، دسمبر ۱۹۸۲ء کو تحریر کیا تھا۔ جس میں خاص طور پر سندھ کے تشویشناک حالات کی نشاندہی کرتے ہوئے ملک میں سیاسی عمل کے آغاز کی اہمیت پر زور دیا تھا اور اس ضمن میں ایک قابلِ عمل لائحہ عمل بھی سامنے رکھا تھا۔ ؎۱

؎۱ محترم ڈاکٹر صاحب نے اپنے خط میں سندھ کی خوفناک صورت حال کے بارے میں تجزیہ پیش کیا تھا اس میں یہ الفاظ بھی تھے: (بقیہ حاشیہ اگلے پر دیکھئے)

میرے اس خط کے تحریر کرنے کے آٹھ ماہ بعد ہی وہ لاوا پھٹ گیا اور پھٹا بھی اس انداز اور شدت کے ساتھ کہ سیاسی تجزیہ نگار حیران ہو گئے ۔ لیکن میرے لئے اس میں حیرت کی کوئی بات نہ تھی ۔ عام طور پر تاثر یہ تھا کہ سندھی قوم بزدل ہے ان میں یہ صلاحیت کہاں کہ وہ حکومت کے خلاف کوئی تحریک چلا سکیں ! لیکن پہلی مرتبہ لوگوں کو معلوم ہوا کہ کس طرح انہوں نے پولیس اور فوج کا مقابلہ کیا ۔ پھر جس طریقے سے وہاں ڈاکے ڈالے جا رہے ہیں ، اور جس طرح وہاں دن دہاڑے قتل و غارتگری کا بازار گرم ہے اس سے تو اب کم از کم اس مغالطے کی تصحیح ہو چکی ہو گی کہ وہ کوئی تحریک چلانے کی صلاحیت سے محروم ہیں یا بزدل قوم ہیں ۔ لیکن بہر حال اس وقت تو وہ اکثر لوگوں کے لئے ایک حیران کن بات تھی ۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اُس وقت انہیں کوئی بیرونی مدد حاصل نہیں ہوتی تھی ۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اگر اُس وقت اندرا گاندھی چوک نہ گئی ہوتیں تو پاکستان کی سالمیت شدید خطرہ سے دو چار ہو چکی تھی ۔ وہ اس اُمید پر تھی کہ ابھی یہ لڑائی اور ایجیٹیشن اور آگے بڑھے گا تو پھر ہم بعد میں مداخلت کریں گے ۔ مداخلت کا طریقہ وہی ہوتا جس طرح مشرقی پاکستان میں ہوا تھا ۔ یعنی ہندو جو وہاں آباد ہیں وہ سندھ سے ترکِ وطن کر کے ہندوستان میں داخل ہو جاتے اس کے لئے تو انہیں صرف ایک جھنڈی دکھانے کی ضرورت تھی ۔ پھر سرحد کے ساتھ ان کے کیمپ بنا دیئے جاتے اس طرح ہندوستان کو پولیس ایکشن کا موقع مل جاتا ۔ اندرا گاندھی منتظر ہی رہی اور اللہ نے اسی میں پاکستان کو بچا لیا ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

" میرے اندازے میں " سندھو دیش " کے لئے میدان پوری طرح اس طرح ہموار ہو چکا ہے جیسے مشرقی پاکستان میں " بنگلہ دیش " کے لئے ہوا تھا اور اب فرق صرف یہ ہے کہ چونکہ مشرقی پاکستان ہم سے دُور اور کٹا ہوا تھا ، اس لئے مرکزی حکومت وہاں مؤثر کنٹرول نہ کر سکی اور سندھ چونکہ زمینی طور پر ملحق ہے ۔ لہٰذا یہاں ایسی کسی بھی تحریک کو کچلا جا سکتا ہے ' لیکن میرے نزدیک اس عامل (FACTOR) پر زیادہ انحصار بھی سخت ناعاقبت اندیشی ہے "

اس دفعہ میں نے سندھ کے بعض اندرونی علاقوں مثلاً گھوٹکی، کندھ کوٹ، مبارک پور، اور گاڑھی مورد کا پروگرام بنایا تاکہ اندرونِ سندھ کے حالات کا بھی بچشم سر جائزہ لے سکوں اس لئے کہ انتہائی تشویشناک خبریں تو سننے میں آتی رہی ہیں لیکن ابھی تک معاملہ محض شنید تک محدود تھا — چنانچہ پروگرام کے مطابق پہلے میں گھوٹکی گیا جس کا ریلوے اسٹیشن حال ہی میں جلایا گیا تھا۔ وہاں ہندوؤں کی اچھی خاصی تعداد ہے۔ پھر کندھ کوٹ جانا ہوا وہاں بھی ہندو آبادی مسلمان آبادی کے مساوی ہے۔ پھر مبارک پور جانا ہوا۔ اسی طرح گاڑھی موری جانے کا موقع بھی ملا جو سندھ کے حالیہ چیف منسٹر سید غوث علی شاہ صاحب کا آبائی شہر ہے۔ پھر یہ کہ روہڑی کی سیمنٹ فیکٹری میں بھی مجھے خطاب کا موقع ملا۔ یوں سمجھئے کہ سکھر کے ارد گرد کوئی پچاس اور سو میل کے دائرہ میں مَیں نے ایک چکر لگایا۔

اندرونِ سندھ کے اس دَورے کے دوران سندھ کے جو حالات میرے مشاہدہ میں آئے۔ واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے میرے اعصاب کو ہلا کر رکھ دیا۔ وہاں سے لَوٹتے ہی میری طبیعت پر شدید اضمحلال طاری ہوا اور صورت حال یہ ہے کہ اب بھی مجھے ٹمپریچر ہے۔ اور بخار کی یہ کیفیت مسلسل جاری ہے۔ اور آپ کو معلوم ہے میں اپنے دروس و تقاریر کے پروگرام ایسے ہی کسی سبب سے کینسل نہیں کرتا لیکن اس دفعہ ناسازیٔ طبع کے باعث مجھے اپنا دورۂ اسلام آباد منسوخ کرنا پڑا اور میں سمجھتا ہوں کہ میری طبیعت کی اس خرابی میں جہاں جسمانی مشقت کو دخل حاصل ہے وہاں اُس اعصابی دباؤ کا بھی بڑا حصہ ہے جو سندھ کی خوفناک صورتِ حال کے مشاہدے کا نتیجہ ہے۔

سندھ کے بارے میں یہ بات اچھی طرح جان لیجئے کہ معاملہ یہ نہیں ہے کہ وہاں پاکستان سے خیر خواہی رکھنے والے عنصر (PRO-PAKISTAN ELEMENT) موجود نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بڑے مخلص لوگ موجود ہیں۔ لیکن ایک سرگرم تحریک وہاں ایسی ہے جو پاکستان دشمن ہے اور اس کے ہاتھ میں دلیل ایسی ہے کہ جس نے مخلص لوگوں کے منہ بند کر دیئے ہیں۔ میں اس پوری صورتِ حال کا تجزیہ کر کے آپ کو بتاؤں گا۔ اصل میں تو یہ تحریک آج سے بیس پچیس برس پہلے شروع ہوئی

تھی ۔ جب جی ایم سید صاحب اور اُنہی کی طرح کے کچھ اور دانشوروں نے بڑی منصوبہ بندی (PLANNING) کے ساتھ سندھیوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کا کام شروع کیا تھا ۔ اس وقت ہم بہت حیران ہوتے تھے کہ ایسا بھی کوئی دریدہ دہن انسان ہوسکتا ہے جو محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کو لٹیرا اور ڈاکو کہے اور راجہ داہر کو اپنا قومی ہیرو قرار دے ۔ لیکن یہ کہ جی ایم سید کی تحریک نے کھلے بندوں ان اسلام دشمن خیالات کو عام کرنا شروع کر دیا ۔ کتابیں چھپتی رہیں اور ادب ثقافت کے لبادے میں ، نظموں اور ڈراموں کی شکل میں اس زہر کو عام کرنے کا سلسلہ جاری رہا ۔ یہ فکر عام کیا گیا کہ ہمارا اصل کلچر کچھ اور ہے ہمارا اصل ماضی کچھ اور ہے یہ اسلام خواہ مخواہ ہم پر مسلط کر دیا گیا ہے ۔ یہ تو باہر سے آکر ڈاکے ڈالنے والوں کا مذہب تھا ـــــ اس کے ساتھ ساتھ ان خیالات کو بھی عام کیا گیا کہ پاکستان میں حکومت تو صرف پنجاب کی ہے ؛ پنجاب ہمارا استحصال کر رہا ہے ، پنجاب ہمارا خون چوس رہا ہے ، پنجابیوں نے ہماری زمینوں پر قبضہ کر لیا ہے ، اُدھر سے مہاجرین نے آکر ہماری تمام شہری جائیدادیں ہتھیالی ہیں اور سارے کاروبار پر قبضہ کر لیا ہے ـــــ تو یہ تحریک کوئی آج کی نہیں ہے کم سے کم پچیس ۲۵ برس سے وہ اس کام میں لگے ہوئے ہیں ۔ دوسرے طرف ہمارا معاملہ کیا تھا ہمارے اکثر و بیشتر لوگ آپس کی اقتدار کی جنگ اور حکومت کے ساتھ کھینچ تان میں مصروف تھے ۔ ہماری تمامتر توانائیاں اپنی منفی کاموں میں صرف ہوتی رہیں اور ہم اس سے بےخبر رہے کہ سندھ میں کیا ہو رہا ہے اور اگر کچھ خبر ہوگی بھی تو ہم نے اسکی طرف زیادہ توجہ نہیں دی ـــــ بہرکیف اس پوری صورتِ حال پر گویا جلتی پر تیل کا کام کیا حالیہ ساڑھے آٹھ نو برس کے مارشل لاء نے چنانچہ اس میں وہ لوگ جو وہاں اسلام اور پاکستان کے ساتھ خلوص کا تعلق رکھتے ہیں انکی زبانیں بند کر دی گئی ہیں اس لئے کہ اتنی بڑی دلیل ہاتھ آگئی ان لوگوں کے کہ جو سندھ کو پاکستان سے کاٹنا چاہتے ہیں ، جو اس کا الحاق چاہتے ہیں ہندوستان سے یا یہ کہ جو آزاد سندھو دیش کا نعرہ لگائے ہیں ۔ اور یہ دلیل وہی ہے جو صدر ایوب کے مارشل لاء نے مشرقی پاکستان کے علیحدگی پسند عناصر کو فراہم کی تھی یعنی یہ کہ مارشل لاء کا

مطلب کیا ہے فوج کی حکومت ۔ اور فوج میں ہمارا کوئی حصّہ ہے نہیں، فوج تو تمام تر مغربی پاکستان کے لوگوں پر مشتمل تھی ۔ لہٰذا فوج کی حکومت کا مطلب یہ ہوا کہ مغربی پاکستان حکومت کر رہا ہے ۔ ہم پر وہ حاکم ہے ہم محکوم ہیں ۔ ہم نے انگریز سے آزادی اس لئے تو حاصل نہیں کی تھی کہ مغربی پاکستان ہم پر حکومت کرے ۔ یہ دلیل اتنی قوی تھی ورنہ ہندو وہاں پہلے بھی موجود تھا بنگلہ نیشنلزم کے لئے وہ کام کر رہا تھا۔ اندر ہی اندر یہ آگ جل رہی تھی لیکن اس آگ پر بھی تیل پڑا مارشل لاء کے ذریعے سے ۔ اب اس دلیل کے آگے وہاں کوئی پرو پاکستان شخص کہے تو کیا کہے ۔ اس دلیل کو مزید اشتعال انگیز بنانے کے لئے اضافی طور پر اعداد و شمار دکھائے جاتے تھے کہ فوج پہ اتنا خرچ ہوتا ہے ہماری کل آمدنی کا اتنے فیصد حصّہ بجٹ پہ جاتا ہے ۔ یہ یہ سارا حصّہ کہاں گیا ! مغربی پاکستان کو گیا ۔ اس لئے کہ فوج مغربی پاکستان کی ہے لہٰذا کماتے ہم ہیں کھاتے وہ ہیں اور ایسے ایسے اعداد و شمار کہ فلاں لیفٹیننٹ کے ساتھ ایک اردلی ہے اور فلاں کے ساتھ ایک بوٹ پالش کرنے والا ہے یہ "سب کیا ہے ! گلچھرے اڑائے جا رہے ہیں ہمارے پیسے پر ۔ جو پٹ سن اور چاول کے ذریعے سے ہم زرمبادلہ کماتے ہیں وہ خرچ ہوتا ہے ۔ مغربی پاکستان پر اگرچہ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ صدر ایوب نے وہاں پر ملیں لگانے کا کام کارخانے لگانے کا کام ڈیولپمنٹ کا کام بے تحاشہ کیا لیکن یہ سارے کا سارا کام اس دلیل کے آگے کالعدم ہو کر رہ جاتا ہے ۔ بلکہ آپ کو یاد ہو گا اور اگر یاد نہ ہو تو میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ وہاں کے مذہبی طبقے کی اکثریت بھی اسی عوامی دباؤ میں بہہ گئی تھی۔ مجھے ایک صاحب نے چشم دید واقعہ سنایا ہے کہ وہاں جو قتل عام ہوا ہے وہ صرف مکتی باہنی یا ہندو فوج نے نہیں کیا ہے، اس میں وہاں کے مسلمان اور اچھے خاصے مذہبی مسلمان بھی شریک تھے ۔ ایک صاحب جو وہاں کے ہنگاموں میں بچ کر آ گئے تھے چشم دید واقع سناتے ہیں کہ وہ بھی وہاں پکڑے گئے تھے ۔ ۱۷،۱ افراد کا گروپ تھا جسے باندھ کر کھڑا کر دیا گیا ۔ ارادہ یہ تھا کہ سب کو شوٹ کرنا ہے اور وہ مقامی باشندے جو ان کی جان کے درپے تھے انہوں نے شوٹ کرنے سے پہلے وضو کیا، نماز پڑھی اور پھر دعا کی کہ اے اللہ ہم ان کو صرف اس لئے مار رہے ہیں کہ

انہوں نے ہم پر ظلم کیا ہے ۔ ہم صرف بدلہ لے رہے ہیں ۔ ہم کوئی ظلم نہیں کر رہے ہیں۔ یہ سب کرنے کے بعد انہوں نے پورے گروپ کو شوٹ کر دیا ۔ وہ صاحب جنہوں نے یہ واقعہ بیان کیا ہے وہ بتاتے ہیں کہ وہ گولی لگے بغیر گر گئے اور وہ لوگ اُنہیں بھی مردہ افراد کے ساتھ چھوڑ کر چلے گئے ۔ بقیہ ۱۶ ہلاک ہو گئے اور صرف یہ صاحب بچ نکلے ۔ آپ دیکھ لیجئے کہ یہ کام کن لوگوں نے کیا ہے ! جنہوں نے نماز پڑھی ہے جنہوں نے وضو کیا ہے جو مذہبی عنصر تھا لیکن یہ کہ ان کو اس درجہ بہکایا گیا ہے کہ حقوق کا معاملہ ہے ، یہ معاملہ ظلم کا ہے ، ظلم کے خلاف ہمیں اٹھنا پڑے گا ۔

میں نے ۶۹ء میں لکھا تھا اور آج بھی میرا یہ موقف ہے کہ اگر وہاں ریفرنڈم کرایا گیا ہوتا تو یقیناً زیادہ تعداد انہی لوگوں کی تھی جو علیحدگی نہیں چاہتے تھے۔ مولانا متین ہاشمی صاحب چونکہ وہیں تھے ۔ وہ سارے ہنگامے سے گزر کر آئے ہیں انہوں نے ابھی شہدائے بالاکوٹ کانفرنس میں جو تقریر کی اسمیں اُنہوں نے بھی اسی بات کی تائید کی اور یہ بات دعوے سے کہی کہ وہاں ۶۰ فی صد سے زائد لوگ پرو پاکستانی تھے ۔ لیکن المیہ یہی ہے کہ پاکستان کے خیر خواہ لوگوں کی ایک بڑی اکثریت انکی دلیل کے سامنے خاموش بلکہ بے بس ہو کر رہ گئی ۔ حالانکہ وہاں بہت قربانیاں بھی دی گئیں ۔ خاص طور پر جماعتِ اسلامی کے زیر اثر نوجوانوں نے ہزاروں کی تعداد میں اپنی جانیں پیش کیں لیکن عوامی بہاؤ جب آتا ہے تو اُس کے سامنے یہ چند ہزار بند نہیں باندھ سکتے ۔

بعینہٖ یہ معاملہ سندھ میں ہو چکا ہے ۔ یہی دلیل اُن کے ہاتھ میں ہے کہ صاحب! فوج کی حکومت کا مطلب ہے پنجاب کی حکومت اور بحیثیتِ پاکستانی حکومت میں ہمارا بھی اُتنا ہی حق ہے جتنا پنجابیوں کا ہم پنجاب سے کسی درجے میں کمتر نہیں ہیں ۔ ہم پنجاب کی بالادستی کو تسلیم نہیں کرتے ۔ یہ وہ بات ہے جو ہر سندھی نوجوان کو اپیل کرتی ہے ۔ اب آپ خود بتایئے کہ اس دلیل کے جواب میں کوئی کچھ کہے تو کیا کہے! دُکھ یہ ہے کہ ان کی اس دلیل کو مزید تقویت دینے کا سامان ہم نے خود فراہم کیا ہے ۔ ذرا سوچئے کہ اُن کے اِس اعتراض کا آپ کے پاس کیا جواب ہے کہ مارشل لا کے دور میں پنجاب کا گورنر ایک پنجابی آدمی ہے ، سندھ کا گورنر پٹھان

تھا۔ لیکن سندھ کا گورنر کوئی سندھی نہیں ہے بلکہ پنجابی ہے! پھر یہ کہ جب اپنے سویلین گورنر بنائے تو بھی سندھ کا معاملہ یہ رکھا کہ ایک ہی تاریخ میں ایک جرنیل کو آپ نے فوج سے ریٹائر کیا اور اُسی وقت اسے گورنر بنا دیا گویا پورے سندھ میں آپ کو ایک آدمی بھی ایسا نہیں ملا جس پر اعتماد کر سکیں یا آپ اسے گورنر بنا سکیں۔ حالانکہ آپ ہی کے زیرِ انتظام الیکشن میں وہاں کے لوگوں نے بھی حصہ لیا تھا۔ آپ کی جماعت میں انہوں نے شرکت کی ہے، کثیر تعداد میں لوگ آپ کے ساتھی ہیں لیکن پھر یہ سب کیا ہے؟ اس کا جواب کوئی کیا دے! یہی وہ چیزیں ہیں کہ جن کی وجہ سے وہاں کے مسلمان گڈمڈ ہو کر رہ گئے ہیں۔ میں نے کم سے کم جن علاقوں میں ان دنوں میں سفر کیا میں نے محسوس کیا اُس علاقے کا عام سندھی مسلمان عام پنجابی مسلمان سے زیادہ مذہبی ہے۔ ان کی مساجد دیہات میں زیادہ آباد ہیں لیکن یہ جو ابر یا ہے اپر سندھ کا یہاں تمام مذہبی عنصر جمیعت علمائے پاکستان سے تعلق رکھتا ہے۔ جبکہ دیہات میں پورے کا پورا دیوبند کا حلقہ ہے۔ میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ یہ پورا حلقہ جمیعت علمائے اسلام کی گرفت میں ہے۔ مولانا عبدالکریم بیگ شریف والے اس وقت بڑی مقتدر شخصیت ہیں۔ ان کا حلقہ اثر بہت ہے لیکن وہ سب کے سب آپکو معلوم ہے ایم آر ڈی میں ہیں۔ اور حال ہی میں سندھ میں جو ایجی ٹیشن ہوا ہے اُس میں خاص طور پر اپر سندھ کے علاقے میں سب سے بڑا حصہ جمیعت علمائے اسلام کے اُس گروپ کا تھا جو مولانا فضل الرحمن سے متعلق ہے۔ اس تحریک میں انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنے تئیں قربانیاں بھی دیں۔ اس لئے کہ اُن کا کہنا ہے کہ یہ بنیادی حقوق کا معاملہ ہے۔ دین کا معاملہ اس سے الگ ہے۔ دین ہم سب کا مشترک ہے۔ آپ ہی دین کے ٹھیکیدار نہیں ہیں نمازیں ہم بھی پڑھتے ہیں روزے ہم بھی رکھتے ہیں لیکن آپ دین کے حوالے سے ہمیں ہمارے حقوق سے محروم نہیں کر سکتے۔ دین کا معاملہ اپنی جگہ اور حقوق کی بات اپنی جگہ ـــــــ میں نے محسوس کیا ہے کہ سندھ کے کم از کم اس علاقے میں دین و مذہب سے لگاؤ کی ایک عمومی فضا ہے اور میں نے یہ طے کیا ہے کہ اگر اللہ نے ہمت اور صحت دیئے رکھی تو جب بھی پاکستان میں ہوں

گا، ہر ماہ اندرونِ سندھ کا ایک دورہ ضرور کروں گا - اس لئے کہ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اب پاکستان کی بقاء میں سندھ کو ایک فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے -

موجودہ حالات میں سندھ کی خصوصی اہمیت

اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ہمارے ملک میں پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کی شکل میں صوبوں کی جو تقسیم ہے۔ اس میں جہاں تک سرحد اور بلوچستان کا تعلق ہے - وہاں حالات اتنے خوفناک نہیں ہیں - پختونستان کا ہوّا اب ختم ہو چکا ہے، وہ اپنی موت آپ مر چکا ہے اسلئے کہ افغانستان میں روسی فوجوں کی آمد نے صورتِ حال ہی بدل دی ہے - اب ایک نئی صورتِ حال ہے جس نے ایک نئی بحث کو جنم دیا ہے، سرِ دست میں اس معاملے کو زیر بحث نہیں لانا چاہتا - لیکن مجھے یہ یقین ہے کہ فرنٹیئر (سرحد) میں دیگر جماعتوں میں اتنی قوت موجود ہے کہ وہ اندرونی طور پر ملک دشمن عناصر کا مقابلہ کر سکتے ہیں - خطرہ باہر سے تو ہو سکتا ہے لیکن اندرونی حالات اُس درجے تشویشناک نہیں - اسی طرح بلوچستان کے حالات بھی اب بہتر ہو چکے ہیں - بھٹو کے دورِ حکومت میں وہاں جس عمل (PROCESS) کا آغاز ہوا تھا جسے (OPENING UP OPRATION) کہا گیا ہے - کہ بلوچستان کا یہ علاقہ جو بقیہ پاکستان سے بالکل کٹا ہوا ہے اور وہاں سکول کھولے جائیں۔ سڑکیں بنائی جائیں اور دیگر ترقیاتی کام کئے جائیں تاکہ وہاں بھی ایک مڈل کلاس وجود میں آئے اور صورتِ حال میں کچھ تبدیلی پیدا ہو۔ اُس عمل کو اِس حکومت نے بھی آگے بڑھایا خاص طور پر جنرل رحیم الدین صاحب کے دور میں وہاں بے پناہ کام ہوا ہے جس کے نتیجے میں وہاں ایک مڈل کلاس وجود میں آ چکی ہے - اور میرا اندازہ یہ ہے کہ اب بلوچستان میں کم از کم اندر سے کوئی بڑی ملک دشمن قوت نہیں اٹھ سکتی۔ باقی جہاں تک بین الاقوامی سیاست کا معاملہ ہے اُس کے تحت باہر سے کسی خطرہ کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا - وہ ایک مختلف بات ہو جائے گی جسے اس وقت ہم کنٹرول کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں -

میرے اندازے میں پاکستان میں اس وقت جو سب سے بڑا خطرہ کا مقام (DANGER SPOT) ہے وہ سندھ ہے - اندرونی طور پر وہاں پاکستان دشمن تحریک بہت پختہ اور

گہری ہو چکی ہے - جس کے کچھ مظاہر میں بیان کر چکا ہوں - ایک مظہر یہ بھی ہے - کہ 'اسلامی جمعیتِ طلبہ' وہاں بالکل نیست و نابود (WASH OFF) ہو چکی ہے - آپ جانتے ہیں کہ یہ تحریک وہ تھی جسے اسلام دوست اور پاکستان دوست سمجھا جاتا تھا - کالجوں میں ان کی یونینیں تھیں اور بڑی مضبوط پوزیشن تھی - لیکن پچھلے کچھ عرصے میں حالات بہت تیزی سے بدل چکے ہیں - اندرونِ سندھ اب جمعیت طلبہ کا نام مٹ چکا ہے - جو نوجوان اس کے ساتھ منسلک ہیں وہ بھی خوف کے باعث بر ملا جمعیت کے ساتھ اپنے تعلق کا اظہار نہیں کر سکتے اس لئے کہ جمعیتِ طلبہ اب وہاں پنجاب ایجنٹ کے طور پر مشہور ہو چکی ہے ـــــــ اندرونِ سندھ یہ صورتِ حال بہت خوفناک ہے اور کسی بڑے دھماکے کے لئے اندرونی فضا بالکل تیار ہے ـــــــ ہندو وہاں بڑی ہوشیاری کے ساتھ ایک حکمتِ عملی اختیار کئے ہوئے ہے - وہ اپنے پیسے سے سندھو دیش جیسی تحریکوں میں سندھی نوجوانوں کو آگے بڑھا رہا ہے لیکن خود ہندو نوجوان دل لگا کر پڑھتا ہے - کالجوں میں ہندو لڑکوں کی تعداد ان کی آبادی کی نسبت سے بیس تیس گنا زیادہ ہے - اس لئے کہ وہاں کوٹہ سسٹم نہیں ہے کہ اتنی نشستیں مسلمانوں کی اور اتنی ہندوؤں کی - بلکہ میرٹ پر داخلے ہوتے ہیں - شہروں میں چونکہ مہاجرین ہیں ان کا راستہ روکنے کے لئے داخلوں کے معاملے میں وہاں شہری اور دیہاتی کی تقسیم تو ملحوظ رکھی جاتی ہے اور اس کے ذیل میں کوٹہ معین ہے لیکن ہندو مسلمان کی تقسیم موجود نہیں ہے چنانچہ اندرونِ سندھ تعلیم حاصل کرنے کا سارا فائدہ ہندو اٹھا رہا ہے - چنانچہ ہندو نوجوان خود تو میڈیکل کالجوں اور انجینئرنگ کالجوں میں پورے طور پر چھایا ہوا ہے - لیکن ہندو سرمایہ اس وقت پاکستان کی جڑیں کاٹنے میں استعمال ہو رہا ہے - اس سرمائے کے ذریعے اُن لوگوں کے ہاتھ مضبوط کئے جا رہے ہیں - جو سندھ کو پاکستان سے کاٹنے کی فکر میں ہیں - یہ صُورتِ حال انتہائی تشویشناک ہے - ضرورت اس بات کی ہے کہ جو شخص بھی اسلام اور پاکستان کے ساتھ مخلصانہ تعلق رکھتا ہے اوّلاً تو اسے پوری صورتِ حال کا شعور و ادراک ہونا چاہیئے - پھر اُسے مثبت کام کے لئے کمر کس لینی چاہیئے -

اس ضمن میں میں چاہتا ہوں کہ بعض ایسی باتیں آپ کے سامنے رکھوں کہ پنجاب کا مسلمان اگر انہیں نہیں سمجھے گا تو سندھی مسلمان کے لئے اُس کے دل میں ہمدردی راہ نہ

پاسکے گی - اور میرے نزدیک یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ اگر آپ اپنے مدمقابل کو سمجھنا چاہتے ہیں تو آپ کو معلوم ہونا چاہیئے - کہ اُس کا پس منظر کیا ہے - اُس کے پاس دلیل کیا ہے - اسکی شکایت کیا ہے، اُس کی الجھن کیا ہے!

پنجاب اور سندھ کے حالات کا تقابلی جائزہ اور سندھ میں مہاجرین کا کردار

آپ کو معلوم ہے کہ پنجاب اور سندھ ہی پاکستان کے دو بڑے صوبے ہیں - پنجاب سب صوبوں میں بڑا ہے جبکہ سندھ کا نمبر دوسرا ہے - لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اہمیت کے اعتبار سے سندھ پنجاب کے ہم پلہ ہو چکا ہے - پاکستان کے مستقبل کے لحاظ سے جتنی کچھ اہمیت پنجاب کی ہے - سندھ کی اُس سے کم نہیں ہے - ضرورت اس بات کی ہے کہ پہلے ہم اُس کے تاریخی پس منظر کو جاننے کی کوشش کریں جس کو سمجھے بغیر اس الجھاؤ کو حل کرنا ممکن نہیں ہے - میں نے پہلے بھی ایک بات کہی تھی آج پھر اسے سمجھ لیجیئے کہ تقسیم کے وقت ہمارے یہاں پنجاب میں بھی تبادلۂ آبادی (EXCHANGE OF POPULATION) ہُوا تھا اور سندھ میں بھی ہوا تھا - لیکن اس معاملے میں ایک بنیادی فرق ہے جو واقع ہوا ہے اور وہ یہ کہ پنجاب سے جو ہندو یا سکھ گئے تھے وہ پنجابی بولتے ہوئے گئے تھے اور جو مہاجر پنجاب میں آکر آباد ہوئے اُن کی اکثریت بھی پنجابی بولنے والوں پر مشتمل تھی - لہٰذا کوئی لسانی یا ثقافتی مسئلہ پیدا نہیں ہوا - یہاں مہاجرین کی بہت کم تعداد ایسی آباد ہوئی جو اُردو بولنے والی تھی - دوسری طرف سندھ میں کیا ہوا! وہاں جو صورتِ حال ہے اگر آپ اُسے ذہن میں لائیں تو یقیناً آپ اپنے دل میں سندھیوں سے ایک گونہ ہمدردی محسوس کریں گے - اور اس سے مخالفانہ ضد کے عنصر میں کمی واقع ہو گی - سندھ میں ہُوا یہ کہ سندھی زبان بولنے والا ہندو گیا اور اُردو بولنے والا مہاجر آکر آباد ہوا - اب ایک لسانی اور ثقافتی پرابلم کا پیدا ہونا فطری تھا - چنانچہ الجھاؤ پیدا ہوا، اور اس الجھاؤ کو دوچند کیا خود ان مہاجرین کے رویّے نے - مَیں یہ بات سکھر میں بھی برملا کہہ کر آیا ہوں اور کراچی جو مہاجرین کا گڑھ ہے وہاں بھی مَیں نے ڈنکے کی چوٹ کہا ہے کہ خدا کے بندو! کچھ تو سوچو! ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ ہم نے اسلام کے لئے ہجرت کی تھی لیکن ذرا اپنے گریبانوں میں جھانکو اپنے کردار کو دیکھو! تم نے یہاں آکر یہ روش اختیار کی کہ جس کے پاس چار پیسے آگئے اُس نے گھر سے برقعہ

اتار کر پھینک دیا۔ کیا یہ علامت ہے اس بات کی کہ ہجرت اسلام کے نام پر کی گئی تھی! ہم نے اپنے کردار سے تو یہ ثابت کیا ہے کہ یہ ہجرت اسلام کے لئے نہیں تھی صرف دنیا کے لئے تھی، محض دُنیاوی منافع کے حصُول کے لئے تھی۔ ہم نے درحقیقت ہجرت کے نام کو بٹہ لگایا ہے۔ یہاں ہم نے اپنی تمام توانائیاں دُنیاداری میں لگائی ہیں، یہ بتایئے کہ اسلام کے لئے کیا کیا ہے؟ آخر ہمارے اس طرزِ عمل کا کوئی ردِّعمل پیدا ہونا تھا یا نہیں! چنانچہ وہ رَدِّعمل پیدا ہوا کہ ٹھیک ہے! اگر یہی بات ہے تو اسلام اور پاکستان کے لئے ہم ہی قربانی کیوں دیں؟ اگر معاملہ مفادات کا ہے تو مفادات کی دَوڑ میں ہم پیچھے کیوں رہیں؟ پھر تو قومیت کی بنیاد پر ہم ہر قیمت پر اپنے حقوق حاصل کریں گے —— یہ ہیں وہ سارے معاملات جنہیں ہمدردانہ انداز میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ہم نے جو اسلام کے نام پر ہجرت کی تھی تو آخر اُنہیں ہماری زندگیوں میں کون سا اسلام نظر آیا! ہم نے یہاں آکر دھونس جمائی۔ ہم نے یہ سمجھا کہ ہم زیادہ تعلیمیافتہ لوگ ہیں، ہم زیادہ مہذب ہیں اور یہ مقامی لوگ بالکل اُجڈ اور گنوار ہیں۔ بلکہ یہی رویّہ جو ہماری بیوروکریسی نے مشرقی پاکستان میں اختیار کیا تھا کہ وہاں کے مسلمانوں کو حقیر جانا اور اپنا محکوم سمجھا اور خود برٹش بیورو کریسی کے انداز میں وہاں شاہانہ رویّہ اختیار کیا۔ اس کے نتیجے میں وہاں ردِّعمل پیدا ہوا۔ بعینہٖ یہ معاملہ سندھ میں ہُوا ہے۔ لیکن صرف بیوروکریسی ہی نہیں پوری مہاجر کمیونٹی نے یہ کردار ادا کیا ہے، اور بجائے اس کے کہ اسلام کی خدمت اور ملک کی تعمیر کے لئے مقامی آبادی کے ساتھ مل جل کر مثبت کام کرتے، یہاں آکر اپنی تہذیب اپنی، اپنی ثقافت اور اپنی زباندانی کی دھونس جمانے کی کوشش کی ہے۔ اب ظاہر ہے اس کا رَدِّعمل تو پیدا ہونا ہی تھا —— اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ یہ زبان کا معاملہ بھی کم اہم نہیں ہے۔ زبان کی رکاوٹ تعلیم کے میدان کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس میدان میں وہ بچے آگے نکل جائیں گے جن کی نصابی کُتب اُن کی مادری زبان میں ہوں گی، اور جن کے لئے وہ زبان نئی ہوگی اُن کے لئے اس رکاوٹ کے ہوتے ہوئے آگے نکلنا تقریبًا ناممکن ہوجائیگا۔ اور اس طرح ایک مستقل فاصلہ (GAP) برقرار رہے گا۔ چنانچہ اس GAP کو انہوں نے محسوس کیا یہی وجہ ہے کہ وہ اُردو زبان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے کہ ہم اسے قومی زبان نہیں بننے دیں گے —— اس لئے کہ اگر وہ یہ محسوس کرتے کہ یہ (مہاجر) لوگ ہی صرف اسلام

چاہتے ہیں اور کچھ نہیں چاہتے تو پھر اُن کی سوچ کا انداز بھی مختلف ہوتا ہے۔ کاش ہماری اس وقت کی قیادت اگر دُور اندیش ہوتی تو یہ لسانی مسئلہ بہت پہلے طے ہو جاتا۔ دو ایسے افراد ریکارڈ پر ہیں۔ جنہوں نے یہ مشورہ دیا تھا کہ عربی زبان کو پاکستان کی سرکاری زبان قرار دیا جائے۔ اُن میں سے ایک سر آغا خان تھے اور دوسرے تھے سٹیٹ بنک کے پہلے گورنر جناب زاہد حسین صاحب۔ لیکن کون سنتا ہے زبانِ درویش! نتیجہ کیا نکلا کہ آج تک اُردو بھی آپ کی سرکاری زبان نہیں بن سکی! اور آپ جانتے ہیں کہ زبان ہی کا مسئلہ تھا جس نے مشرقی پاکستان میں ہمارے دشمنوں کے ہاتھ میں ہتھیار فراہم کئے تھے۔ اسی زبان کے حوالے سے بنگلہ دیش موومنٹ شروع ہوئی تھی، جو بالآخر مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا باعث بن گئی۔

زبان کے معاملے میں محض کسی جذباتی انداز میں سوچنے کے بجائے ہمیں حقیقت پسندانہ انداز میں غور و فکر کرنا چاہیئے، اور ان لوگوں کے لئے ہمدردانہ اور خیر خواہانہ رویّہ اختیار کرنا چاہیئے۔ جو زبان کی رکاوٹ کے باعث مشکلات سے دوچار ہیں ——— تو یہ دو بنیادی وجوہ (FACTORS) ہیں جو میں نے آپ کے سامنے رکھے کہ جن کے باعث سندھ اور پنجاب کے حالات میں نمایاں فرق واقع ہوا ہے۔ ایک بنیادی فرق تو تقسیم کے وقت تبادلۂ آبادی (EXCHANGE OF POPULATION) کی شکل میں سامنے آیا کہ پنجاب میں جو مہاجر آئے وہ اکثر و بیشتر مشرقی پنجاب سے ہجرت کر کے آئے تھے لہٰذا کوئی لسانی یا ثقافتی الجھاؤ پیدا نہیں ہوا۔ اس کے برعکس سندھ میں چونکہ زیادہ اُردو بولنے والے مہاجر جا کر آباد ہوئے لہٰذا وہاں زبان و ثقافت کی وہ پیچیدگیاں پیدا ہوئیں جن سے پنجاب محفوظ تھا ——— اور پھر یہ کہ اس فرق کو زیادہ نمایاں کیا مہاجرین کے طرزِ عمل نے کہ جنہوں نے اپنے کردار اور رویّے سے یہ ثابت کیا کہ ان کی ہجرت گویا دین کیلئے نہیں محض دُنیا کے حصول کے لئے تھی۔ کچھ استثناءات یقیناً ہیں۔ لیکن دین کا کوئی نقشہ اب اُن گھرانوں میں نظر نہیں آتا، الاماشاءاللہ۔ میں ذاتی طور پر ان گھرانوں سے واقف ہوں جنکی خواتین کے بارے میں حفیظؔ کا یہ شعر صد فی صد درست تھا کہ ؎

"وہ چشمِ فلک نے آج تک دیکھی نہ تھی جن کی جھلک!"

ان مسلمان گھرانوں کی خواتین کہ جو نہ صرف یہ کہ برقعہ پوش ہوتی تھیں بلکہ تانگے میں بیٹھ

کرا گرگھر سے نکلتی تھیں تو دونوں طرف چادریں تان دی جاتی تھیں یعنی وہی نقشہ جو کہیں کہیں صوبہ سرحد میں اب بھی نظر آجاتا ہے، اب اُنہی خواتین کی پوتیاں یا نواسیاں کراچی کی سڑکوں پر نیم عریاں لباس میں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔ یہ آخر کس بات کا ثبوت ہے؟ تو بہرحال ان باتوں کا کوئی ردِّ عمل تو ہونا تھا۔

تاریخی پس منظر کا ایک اہم اختلاف

ایک اور بات جس کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ سیاسی اور تاریخی اعتبار سے بہت اہم ہے اور پنجاب اور سندھ کے درمیان صحت مند ڈائیلاگ کے لئے اُس کا شعور بہت ضروری ہے۔ پنجابیوں اور سندھیوں کے درمیان بلاوجہ سوءِ ظن کی جو ایک فضا قائم ہو چکی ہے اُس میں کمی باہمی رابطے اور غیر متعصبانہ گفت و شنید ہی سے ممکن ہے۔ لیکن اس باہمی رابطے میں تاریخی پس منظر کا ایک بہت بڑا اختلاف حائل ہے جس کے تدارک کے لئے پہلے اُسے سمجھنا ضروری ہے۔

وہ پس منظر یہ ہے کہ سندھ محکوم رہا صرف سو برس۔ ۱۸۴۳ء میں سندھ پر انگریز کا قبضہ ہوا صرف سو برس اس نے غلامی کے دیکھے ہیں اس سے زائد نہیں۔ گویا کم سے کم عرصہ جس نے برصغیر میں غلامی کا کاٹا ہے وہ ہمارا سندھی بھائی سندھی مسلمان ہے۔ باقی آپ کو معلوم ہے۔ بنگال میں تو پلاسی کی جنگ کے بعد غلامی آگئی تھی وہاں دو سو برس غلامی رہی ہے۔ اچھا پنجاب کا معاملہ یہ ہے کہ اگرچہ انگریز یہاں آیا تو تھا ۱۸۴۹ء میں لیکن اس سے پہلے پچاس برس یہاں سکھا شاہی رہی ہے لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ وہ جو پچاس برس کی غلامی سکھوں کی رہی ہے اور اس دور میں جو سکھا گردی یہاں رہی ہے وہ کئی سو برس کی غلامی کے برابر ہے۔ ایسی غلامی کہ جس میں مسجدوں کی حرمت پامال ہوئی۔ لاہور کی بادشاہی مسجد اصطبل بنی ہوئی تھی۔ مسجدوں میں سیڑھیوں پر قرآن رکھے گئے تھے۔ تاکہ خالصہ اس پر پاؤں جا کر چڑھ سکے۔ یہ سب کچھ لاہور میں ہوا ہے۔ اذانیں سالہا سال بند رہی ہیں۔ خالصہ کا حکم تھا کہ کوئی اذان نہیں دی جاسکتی۔ اسقدر ظلم کہ جسے چاہے لوٹے جسے چاہے پیٹے، جو چاہے کرے۔ اُسے حکومت نہیں کہا جاسکتا۔ وہ تو دراصل حکومت کے نام پر غنڈہ گردی تھی۔ پنجاب کا مسلمان بدقسمتی سے ڈیڑھ سو برس کی غلامی دیکھ چکا ہے اور میرے حساب سے غلامی کے اثرات دراصل

ڈیڑھ سو برس کے نہیں بلکہ تین سو برس کے ہیں۔ اس لئے کہ غلامی، غلامی میں فرق ہے۔ انگریز کی غلامی اُس درجے کی نہیں رہی ہے جس درجہ کی غلامی سکھوں کی تھی۔

اب اس سے جو فرق واقع ہوا ہے۔ وہ بہت اہم ہے۔ صورت حال یہ ہوئی کہ انگریز نے مسلمانوں سے سندھ کی حکومت چھینی تھی لہٰذا سندھی مسلمان میں انگریز کے خلاف شدید نفرت تھی۔ ظاہر بات ہے کہ جو آپ کی آزادی چھینے گا۔ اس کے خلاف آپ کے جذبات نفرت ہی کے ہوں گے اور انتقام کا جذبہ ہوگا۔ یہی جذبہ ہے جس کے مظاہر ہمیں اس دور میں نظر آتے ہیں۔ میں نے آپ کو بتایا کہ ۱۸۴۳ء میں تالپوروں کی حکومت ختم ہوئی اور سندھ پر انگریز کی حکومت شروع ہوئی۔ ۱۹۴۳ء میں میں اپنی یادداشت سے آپ کو بتا رہا ہوں کہ حُر تحریک اپنی پوری شدت کے ساتھ چل رہی تھی۔ روزانہ ہم اخبار میں پڑھتے تھے کہ آج فلاں سٹیشن پر حملہ ہوا آج فلاں جیل توڑ دی گئی آج فلاں تھانے پر حملہ کیا گیا۔ یہ حُر کون تھے! کاش کہ آپ کو معلوم ہوتا، درحقیقت سیّد احمد شہیدؒ کی تحریک ہی کا ایک تسلسل تھا۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ اسی کی ایک شاخ تھی۔ یہ اس لئے کہ سید صاحب جب یہاں سے گزرے تھے تو موجودہ پیر پگاڑا صاحب کے جو جدّ امجد تھے، پیر پگاڑا صاحب کے والد کا نام بھی صبغت اللہ شاہ راشدی ہے۔ جن کو کہ انگریزوں نے پھانسی دی تھی اور انکی پانچویں پشت میں جو ان کے بزرگ تھے جبکہ سیّد صاحب اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا قافلہ وہاں سے گزرا تھا، اس وقت بھی ان کا نام بھی صبغت اللہ راشدی تھا۔ انہوں نے سید صاحبؒ کی بہت آؤ بھگت کی تھی، بہت تعاون کیا تھا بلکہ وہ ساتھ جہاد پر جانے کو تیار تھے۔ پہلے سے بھی انکا کردار مجاہدانہ تھا۔ یہ حُر تحریک اُنہی کی شروع کردہ ہے —— دراصل سید صاحب کا پروگرام یہ تھا کہ ہم اُدھر شمال سے سکھوں پر حملہ کریں اور اِدھر جنوب سے آپ لوگ حملہ کریں تاکہ ان پہ دو طرف سے یلغار ہو تو پھر وہ جم نہ سکیں، ٹک نہ سکیں —— وہ جو جذبۂ جہاد اور رُوحِ جہاد اس وقت سے چلا آ رہا تھا یہ وہی حُر موومنٹ ہے جس نے ۱۹۴۳ء تک انگریز کو وہاں چین سے بیٹھنے نہ دیا۔

یہ تو تھا سندھی مسلمان کا تاریخی کردار، اب ذرا پنجاب کی طرف آئیے، یہاں

کے مسلمان کا رویہ اس کے بالکل برعکس ہے، اس لئے کہ انگریز کو اُس نے خوش آمدید کہا لیکن اس کی بھی ایک وجہ ہے اور وہ یہ کہ پنجاب کے مسلمان کو تو سکھا شاہی سے نجات دلائی تھی۔ اس میں پنجابی کا قصور نہیں ہے۔ بلکہ اُن حالات میں پنجابیوں کا یہ طرزِ عمل بالکل فطری تھا کہ انگریز ان کے لئے نجات دھندہ بن کر آیا تھا۔ کہاں سکھوں کی بدترین غلامی اور کہاں اب انگریز کی محض دستوری و آئینی (
نوعیت کی بالادستی۔ یہ صحیح ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں انگریز نے انتہائی ظلم اور بربریت کا معاملہ کیا تھا لیکن اُس کے بعد تو یہاں "تلوار" کی بجائے "قلم" کی عملداری تھی۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو بات سمجھ میں آتی ہے کہ پنجابی مسلمان کے دل میں انگریز کے خلاف نفرت کے جذبات کیوں پیدا نہیں ہوئے بلکہ ایک گونہ احسان مندی کا احساس پیدا ہوا۔ اس لئے کہ "هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ" احسان کا بدلہ تو احسان ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پنجابی مسلمان برصغیر کے تمام مسلمانوں میں انگریز کا سب سے بڑا محسن ثابت ہوا۔ چنانچہ یہ ایک تلخ تاریخی حقیقت ہے کہ ۱۸۵۷ء میں ایک وقت وہ آیا تھا کہ انگریز دہلی سے نکالا جا چکا تھا اور انگریز نے دہلی پر دوبارہ جو قبضہ کیا وہ پنجابی مسلمان کی مدد سے کیا تھا۔ اگر پنجاب سے انگریزوں کی مدد کے لئے فوجیں نہ جاتیں تو ۱۸۵۷ء کے بعد برصغیر سے انگریز کا نام و نشان مٹ جاتا ـــــ بہرحال یہ وہ تاریخی پس منظر ہے جس کی وجہ سے پنجابی مسلمان نے انگریزی فوج میں خدمات انجام دیں اور آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے کچھ بھائی وہ بھی تھے جنہوں نے نہ صرف عراق، مصر، بلکہ سعودی عرب کی زمین کو بھی اپنے خون سے رنگین کیا۔ مقابلہ کس سے تھا؟ مسلمانوں ہی سے! اور یہ سب کچھ محض انگریز کے استعمار کو وہاں جمانے کے لئے کیا گیا۔

اب اس پس منظر میں دیکھئے کہ انگریز کیا پالیسی اختیار کرتا ہے! انگریز نے یہ دیکھتے ہوئے کہ سندھی مسلمان میں بغاوت کے جراثیم موجود ہیں، اپنی فوج کے دروازے اُس پر بند کر دیئے اور یہ پالیسی اُس کے نقطہ نظر سے بہت صحیح تھی اس لئے کہ جس میں بغاوت کے جراثیم ہوں اُسے فوج میں لانا گویا اپنی موت کو خود دعوت دینا ہے۔ ساتھ ہی انگریز نے یہ پراپیگنڈا بھی شروع کر دیا کہ سندھی نان مارشل ریس

(NON-MARTIAL RACE) ہیں کہ ان کی نسل میں جنگ کرنے اور لڑنے بھڑنے کی صلاحیت نہیں ہے یہ پروپیگنڈا سو برس سے جاری ہے۔ انگریز کے اس پراپیگنڈا اور حکمتِ عملی کے اثرات یہ نکلے کہ سندھی مسلمان ایک خول میں بند ہو کر رہ گیا اور کیفیت یہ ہو گئی کہ سندھی اپنے صُوبے سے باہر نکلنے کو بھی یہ سمجھتا ہے کہ اس سے اسکی روایت ٹوٹ گئی اور وہ پردیسی ہو گیا ——— اس پس منظر کے اختلاف سے سارا فرق واقع ہوتا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ سندھی مسلمان پنجابی کو یہ الزام دیتا ہے کہ یہ انگریز کے غلام تھے، یہ کرائے کے فوجی تھے، انہوں نے انگریز کی حکومت کو تقویت پہنچائی وغیرہ۔ آپ کو یاد ہوگا کہ سندھ کی ایک معروف شخصیت غلام مصطفےٰ شاہ صاحب نے ایک بار یہ بیان دیا تھا، اور میں پڑھکر بہت حیران ہوا تھا۔ کہ ہم نے کبھی "کرائے کے فوجی کا کردار ادا نہیں کیا" اور یہ پنجابیوں پر ایک کھلا طنز تھا ——— دوسری طرف پنجابی مسلمان کا اعتراض یہ ہے کہ سندھی فوج میں نہیں آتے۔ یہ نان مارشل ریس ہیں، ہم نے کب ان پر فوج کے دروازے بند کئے ہیں!

یہ ہے وہ الجھاؤ جسے سمجھنے اور سلجھانے کی ضرورت ہے۔ اگر ہماری کوئی قیادت ایسی ہوتی جو اس تمام پس منظر کو سامنے رکھ کر سندھی مسلمان کو اس خول سے نکالتی، اُنہی ایسے مواقع فراہم کئے جاتے کہ اُن کے لئے فوج میں آنا آسان ہوتا تو اصلاحِ احوال کا کوئی امکان پیدا ہوتا۔ آخر سندھی نوجوان بھی پنجابی نوجوان سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ اُن کے قد و قامت کو دیکھئے اور پھر یہ کہ اُن میں صلاحیتیں موجود ہیں۔ لیکن انگریز نے اُنہیں پیچھے رکھا اور وہ بھی اپنے خول میں بند ہو گئے۔ ضرورت اِس بات کی ہے کہ اس پوری صُورتِ حال کو اُس کے صحیح پس منظر میں سمجھا جائے اور باہمی غلط فہمیوں کو دُور کیا جائے ـــ اس طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ پنجابی مسلمان بھی بے غیرت نہیں لیکن اب اسے کیا کیا جائے کہ انگریز نے انہیں بدترین سکھا شاہی سے نجات دلائی تھی لہذا اُس کے دل میں انگریز کے خلاف نفرت نہیں پیدا ہو سکی۔ ان حقائق کو اُجاگر کرنے کی ضرورت ہے کہ سندھی نوجوان بھی نان مارشل (یعنی جنگی صلاحیت سے عاری) نہیں ہے۔ اور اُسے اعتماد میں لینے کی ضرورت ہے۔ سندھ میں جو کچھ ہو رہا ہے، جس طور سے جیلیں توڑی جا رہی ہیں تو کیا کوئی نان مارشل ریس یہ کچھ کرتی ہے! آخر یہ سب کام بھی بغیر کسی صلاحیت،

بغیر کسی آرگنائزیشن کے نہیں ہوتے ۔ اس وقت وہاں کالج کے طلباء جو ڈاکے ڈال رہے ہیں اُن کے گینگ بہت منظم ہیں اور سندھ کی پولیس اُن سے عاجز آچکی ہے۔ اُن کے پاس وہ ہتھیار ہیں جو ہماری پولیس کے پاس بھی نہیں لہٰذا ہر دوسرے روز اُس قسم کی افسوسناک خبریں سننے میں آتی ہیں کہ پولیس والے مارے جارہے ہیں اور اُن کی تخریبی کارروائیاں جاری ہیں ۔۔ اُن کے مختلف گروپوں نے آپس میں علاقے تقسیم کیئے ہوئے ہیں ۔ حال ہی میں مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہاں ایک صاحب کو جب اغوا کیا گیا تو ان کے والد ڈیڑھ لاکھ روپے دیکر اُنہیں چھڑ کر لائے انہوں نے اپنے بیٹے کی بازیابی میں حکومت سے کوئی مدد نہیں لی بلکہ براہ راست اغوا کرنے والوں سے رابطہ کیا ۔ جو صاحب چھڑانے گئے تھے وہ کوئی پروفیسر ہیں وہ جب گئے تو انہیں وہاں اپنے ہی شاگرد نظر آئے ۔ ان "شاگردوں" نے یہ تو ضرور کہا کہ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ یہ آپکا لڑکا ہے ورنہ ہم اسے اغوا نہ کرتے لیکن انہوں نے اس بات سے معذوری ظاہر کی کہ وہ بغیر کوئی تاوان اور معاوضہ لیئے چھوڑدیں گے ۔۔ انہوں نے بتایا کہ اُس رقم میں تو کئی گروپوں کا حصہ شامل ہے ۔ ہم صرف اپنا حصہ چھوڑ سکتے ہیں دیگر حصوں کو چھوڑنے کا اختیار ہمیں حاصل نہیں ہے ـــــ

حاصلِ کلام

یہ حالات بہت خوفناک ہیں لیکن یہاں ان کے ذکر سے سندھیوں پر تنقید کرنا مقصود ہے اور نہ پنجابیوں پر بلکہ میری کوشش یہ ہے کہ پورے پس منظر کو واضح کر دوں تاکہ اس کے حل کے لئے صحیح رُخ پر کوشش کی جاسکے ۔ مثبت پہلو جو مجھے وہاں نظر آیا یہ ہے کہ میری وہاں جن لوگوں سے بھی ملاقات ہوئی اُن میں اکثر کے بارے میں میرا احساس یہ تھا کہ دین سے محبت کی ایک چنگاری اُن کے دلوں میں موجود ہے ۔ میں نے جب اُنہیں توجہ دلانے کے لئے بعض باتیں ان کے سامنے رکھیں تو میں نے اُن کی آنکھوں میں روشنی کی ایک جھلک محسوس کی ۔ میں نے اُنہیں سمجھایا کہ بھئی اگر تمہارا جھگڑا کوئی سیاسی جھگڑا ہے تو میں اس سے آپ کو نہیں روکتا ۔ ٹھیک ہے آپ اپنے سیاسی حقوق حاصل کرنے کیلئے جدوجہد کریں لیکن بھئی اسلام کو بیچ میں کیوں لاتے ہو! اسلام پر تو تمہارا حق زیادہ ہے اس لئے کہ برصغیر میں تو اسلام سب سے پہلے آیا ہی سندھ کے راستے تھا ۔ اسلام کی

کرتیں یہیں سے پورے برصغیر میں پھیلی ہیں ۔ سب سے پہلی تفسیر سندھی زبان میں لکھی گئی ۔ وہاں ایک عجیب تاریخی حقیقت میرے علم میں آئی کہ محمد حیات سندھ کے ایک بڑے محدث تھے جو ہجرت کر کے حرمین میں جا کر مقیم ہو گئے تھے اور وہاں انہوں نے درس و تدریس کا کام شروع کر دیا ۔ مجھے بتایا گیا کہ شیخ محمد ابن عبدالوہاب بھی اُن کے شاگرد تھے اور امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی نے بھی اُن کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا ۔ گھوٹکی کی ایک انتہائی قدیم مسجد میں مجھے جانے کا اتفاق ہوا وہاں یہ بات میرے علم میں لائی گئی کہ شیخ سعدی بھی وہاں کچھ دن کے لئے اقامت پذیر رہے ہیں ۔ سندھ کو تو اس برصغیر کا پہلا دارالاسلام ہونے کا شرف حاصل ہے اور وہاں اب صورت یہ ہے کہ اسلام ہی کی جڑیں کاٹی جا رہی ہیں ۔

میرا تو پہلے بھی یہ موقف رہا ہے کہ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ نظامِ حکومت صدارتی ہو یا پارلیمانی ہو اسی طرح یہ معاملہ کہ صوبوں اور مرکز کے درمیان اختیارات کی تقسیم کا معاملہ کس طور سے ہو ، یہ کسی فردِ واحد کے طے کرنے کی باتیں نہیں ہیں یہ چیزیں کثرتِ رائے سے طے ہونی چاہئیں اور ان معاملات میں عوام کی مرضی کا احترام ضروری ہے ۔ چنانچہ اس حد تک اگر سندھ کے لوگ اپنے حقوق کیلئے جدوجہد کرتے ہیں تو میں اسے ان کا حق تسلیم کرتا ہوں لیکن جہاں تک اسلام کا معاملہ ہے اس میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ماضی کے حوالے سے گفتگو کی جائے اور یہ جو ایک فتنۂ ارتداد وہاں پھیل چکا ہے ۔ گو انہوں نے اپنے نام نہیں بدلے لیکن میں اسے 'ارتداد' ہی سے تعبیر کروں گا اس لئے کہ ایک کثیر تعداد میں سندھی نوجوان حقیقت کے اعتبار سے مرتد ہو چکا ہے جو لوگ اسلام کو گالیاں دیں اور شعائرِ دینی کا مذاق اڑائیں انہیں ہم اور کیا کہیں گے ! اسی لئے میں نے تقریر کے آغاز میں سورہ مائدہ کی وہ آیت سنائی تھی جس کا مفہوم یہ ہے کہ ــــ اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے دین سے مرتد ہو گیا تو جان لو ! اللہ تعالےٰ عاجز نہیں ہے وہ تمہیں ہٹا کر کسی ایسی قوم کو لے آئے گا جن سے وہ محبت رکھتا ہو گا اور وہ اس سے محبت رکھتے ہوں گے ، جو اہلِ ایمان کے حق میں بہت نرم لیکن کفار کے مقابلے میں بہت سخت ہوں گے اور وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی

ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے ـــــ ! وہاں یہ سارا فتنہ سندھی نیشنلزم یا سندھی مارکزم کے نام پر اٹھایا جا رہا ہے اور مجھے بتایا گیا کہ اس کثرت سے یہ مسموم لٹریچر وہاں پھیلایا جا رہا ہے کہ سندھی مارکزم وغیرہ سے متعلق روزانہ ایک نئی کتاب چھپ جاتی ہے ۔

وہاں بعض دینی ادارے ایسے موجود ہیں جو اسلام کا لٹریچر پھیلانا چاہتے ہیں لیکن دقت یہ ہے کہ وہ اگر اپنے وسائل کی فراہمی کے لئے حکومت سے مدد لیتے ہیں تو حکومت کے پٹھو قرار پاتے ہیں اور اس بنا پر مسترد کر دیئے جاتے ہیں ۔ لہٰذا اب ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کو بچانے کے لئے پنجاب کے دردمند اور مخلص لوگ ایثار سے کام لیں اور ایسے اداروں کو تعاون فراہم کریں تاکہ وہ اسلام کے بارے میں زیادہ سے زیادہ لٹریچر سندھی زبان میں منتقل کر کے عوام میں لا سکیں ـــــ میں سمجھتا ہوں کہ میں نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے نہ تو کوئی سنسنی خیزی مقصود ہے نہ آپ کو مایوس کرنا پیش نظر لیکن جو صورت حال سامنے آئی ہے اس سے آپ کو آگاہ کرنا میں ضروری سمجھتا تھا تاکہ اگر آپ کچھ کرنے پر آمادہ ہوں تو وقت ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے ؎

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سیاسی سطح پر کوئی اصلاح احوال تو ہمارے امکان میں نہیں ہے ۔ لیکن یہ ہماری غلطی ہے کہ ہم نے سیاست ہی کو سب کچھ سمجھ لیا ہے ، حالانکہ دیگر سطحوں پر بھی کام کیا جا سکتا ہے ، لٹریچر کے ذریعے ، ثقافتی سطح پر اور دینی سطح پر اصلاح کا کام کیا جا سکتا ہے ۔ جس طرح ہندوؤں نے غیر سیاسی سطح پر منصوبہ بندی سے کام کر کے پہلے مشرقی پاکستان میں ہماری جڑیں کھودنے کا منفی کام کیا تھا اور اب یہی کام سندھ میں کر رہے ہیں ۔ تو ہم اس طور سے کوئی مثبت کام کیوں نہیں کر سکتے ۔ اور یہ کام لٹریچر کے ذریعے اور کلچرل لیول پر کیا جا سکتا ہے ۔ اور اس کے ذریعے سے لوگوں کے اندر دینی جذبے کو پھر ابھارا جا سکتا ہے ـــــ اور اگر یہ کام نہ ہوا تو مجھے اندیشہ ہے کہ اگر سندھ کی صورتِ حال دوبارہ اس ورچ بگڑ گئی

جس کا ایک تجربہ ماضی قریب میں ہمیں ہو چکا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ بھارت اب دیر نہیں کرے گا اور پاکستان پر کاری ضرب لگانے کے اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دے گا ۔ جیسا کہ ۱۹۷۰ء میں بھارت کے ڈیفنس اسٹڈیز انسٹی ٹیوٹ کے سربراہ مسٹر سبرامنیم نے مشرقی پاکستان کے حالات کو بھانپتے ہوئے ایک مضمون لکھا تھا جس میں اُس نے یہ کہا تھا کہ "It is a centuries occasion" یعنی ایسا موقع کہیں صدیوں میں آتا ہے لہٰذا اسے ہاتھ سے گنوانا نہیں چاہیئے ـــــ اسی طرح اندیشہ ہے کہ سندھ کی صورتِ حال بھی کہیں بھارت کے لئے پاکستان دشمنی کی دیرینہ خواہش کو بھرپور طور پر پورا کرنے کا ذریعہ نہ بن جائے ۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں ان خطرات سے محفوظ رکھے اور مجھے اور آپ کو یہ توفیق دے کہ ہم اس سلسلے میں کچھ مثبت کام کرنے کے لئے تیار ہو جائیں ۔ (آمین)

وقت کے اہم ترین موضوع پر
ڈاکٹر اسرار احمد
کی فکر انگیز تالیف

اِستحکامِ پاکستان

کتابی شکل میں طبع ہو کر آ گئی ہے
ضخامت: ۱۷۶ صفحات ، اعلیٰ سفید کاغذ ، عمدہ طباعت
مجلّد مع گرد پوش -/۳۰ روپے ، بلا جلد -/۲۰ روپے
اب نیوز پیپر ایڈیشن بھی دستیاب ہے۔ قیمت -/۱۲ روپے
شائع کردہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور ۳۶۔کے ماڈل ٹاؤن فون ۸۵۲۶۱۱

اَلْھُدٰی

(نشست ۳۲)

(مباحثِ ایمان)

سورہ حٰمٓ السجدہ کی آیات ۳۰ تا ۳۶ کی روشنی میں

حَظِّ عظیم

ڈاکٹر اسرار احمد

(کے ٹیلیویژن پر نشر شدہ دروس کا سلسلہ)

(۴)

سلام علیکم نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ۝ امّا بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝ وَمَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ۝ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝

صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمُ ۝

اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہیں تو مدافعت کرو اِس طور سے جو نہایت عمدہ ہو تو تم دیکھو گے کہ وہی شخص کہ تمہارے اور جس کے مابین دشمنی ہے وہ تمہارا جاں نثار دوست بن جائے گا اور نہیں پہنچ پاتے اِس مرتبہ اور مقام کو مگر وہی لوگ جو صبر کرنے والے ہیں اور نہیں حاصل کر

سکتے اِس رتبہ کو مگر وہ لوگ جو بڑے نصیب والے ہیں اور اگر تمہیں شیطان کی طرف سے
کوئی اکساہٹ ہو ہی جائے تو فوراً اللہ کی پناہ میں آجاؤ۔ یقیناً وہی
ہے سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا"
(سچ فرمایا ہمارے بزرگ و برتر آقا نے)

معزز حاضرین اور مکرم سامعین!

یہ سُورہ حٰمٓ السجدہ کی آیات ۳۴ تا ۳۶ ہیں اور یہ ہمارے منتخب نصاب کے درس نمبر ۹ کی آخری قسط ہے۔ اِس میں صبر کا بیان ہے لیکن جیسے ہم نے سورۂ حٰمٓ السجدہ کی آیات ۳۱ تا ۳۳ کے درس میں دیکھا کہ ہر پہلو سے دین کی جو بلند ترین چوٹیاں ہیں ان کا ذکر ہوا ہے۔ ایمان کی چوٹی، اللہ کی ربوبیت پر دل کا جم جانا اور ٹھک جانا، مستقیم ہو جانا۔ تواصی بالحق کی چوٹی، اللہ کی طرف بلانا، دعوت الی اللہ اعمالِ صالحہ کی چوٹی، اپنے آپ کو مسلم کہنا اور اللہ کی تابعداری اختیار کرنا۔ اسی طرح لوازمِ نجات میں، سورۂ العصر کی رُو سے تواصی بالصبر کی جو آخری چوٹی ہے، اس کی بھی بلند ترین چوٹی کا یہاں بیان ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھئے! کہ اسلام کا ایک نظام قانونی ہے۔ شرعی، فقہی یا قانونی نظام کے اعتبار سے بدی کا بدلہ بدی ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی آپ کے ساتھ زیادتی کرے تو آپ کو بھی اسی طرح کی اس کے ساتھ زیادتی کرنے کا حق ہے۔ قصاص اور بدلے پر اسلام کا قانونی نظام قائم ہے۔ چنانچہ سورۂ حٰمٓ السجدہ کے متصلاً بعد سورۂ شوریٰ آرہی ہے۔ اس میں قاعدہ کلیہ یہ بیان ہو رہا ہے کہ
وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۔ "کسی برائی کا بدلہ اس جیسی ہی برائی ہے"،
یہ قانون ہے۔ البتہ ایک اس سے بلند تر سطح ہے، وہ ہے: فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۔ "لیکن اگر کوئی معاف کر دے اور اصلاحِ احوال کے لئے کوشاں ہو تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے"۔ اس نے اپنے لئے بہت بڑی نیکی کمائی۔ پھر اسی سورۂ مبارکہ میں آگے یہ اصول بیان فرمایا گیا کہ اگر کسی شخص پر زیادتی ہوئی ہو اور وہ بدلہ لے تو اس پر کوئی ملامت نہیں ہو گی۔ اس نے اپنا ایک قانونی حق

استعمال کیا ہے۔ لیکن پھر تلقین ہوئی: وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ "ہاں جو صبر سے کام لے اور معاف کر دے تو یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ قرآنِ مجید کی جو جامع تعلیمات ہیں یہ اُن کا بڑا ہی حسین نمونہ ہے کہ قانون بدلہ اور قصاص پر مبنی ہے لیکن اخلاق کی بلندی، عفو، مغفرت اور درگزر اور گالیوں کے جواب میں دعائیں دینا ہے۔

یہ بات جان لینی چاہیئے کہ مقامِ دعوت پر جو شخص فائز ہو جائے، جو دعوت الیٰ اللہ کا فریضہ انجام دے رہا ہو۔ جس کے متعلق سابقہ سبق میں ہم نے دیکھا کہ عملِ صالح اس کی شرطِ لازم ہے لہٰذا اس کے لئے بدلہ لینے کا معاملہ اس کے منصب کے اعتبار سے مناسب نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کے لئے وہ مقام ہے جو اِن آیات میں بیان ہوا فرمایا: وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ۔ "نیکی اور بدی برابر نہیں ہیں" - یہ بڑا پیارا انداز ہے، اس میں ایک ایسی آفاقی حقیقت (Initiation of Universal Truth) سے متعارف کرایا گیا ہے جس سے انکار ممکن ہی نہیں۔ ہر انسان تسلیم کرے گا کہ نیکی اور بدی برابر نہیں ہیں۔ محبت آپ کریں گے تو جواب میں محبت ملے گی "Love begets Love"۔ چاہے تاخیر سے ملے۔ بسا اوقات انسان محبت کو پہچان نہیں پاتا۔ جگر مراد آبادی کا بڑا پیارا شعر ہے کہ ؎

جگر وہ تو سراز تا پا محبت ہی محبت ہیں
مگر اُن کی محبت صاف پہچانی نہیں جاتی

پہچاننے میں دیر لگ سکتی ہے لیکن جب فطرتِ انسانی محبت کو پہچان لے گی تو محبت کا جواب محبت سے دے گی۔ اسی طرح ظاہر بات ہے کہ نفرت و عداوت کی کوکھ سے نفرت و عداوت ہی جنم لے گی۔ (Hatred begets hatred)

تو یہ وہ ابدی و آفاقی حقیقت اور قاعدہ کلیہ ہے جس سے بات شروع کی گئی کہ: وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ نیکی اور بدی، اچھائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتے لہٰذا اِس سے یہ نتیجہ نکالا گیا: اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔ جب تم مقامِ دعوت پر فائز ہو

جب تم خیر کی، نیکی کی، بھلائی کی، فلاح وصلاح کی اور اللہ کی طرف دعوت دے رہے ہو تو مخالفت تو ہوگی (Vested Intrests) مفادات، قیادتیں، سیادتیں اور چودھراہٹیں راستہ روکیں گی۔ لوگ مزاحمت ومخالفت کریں گے لیکن اس مخالفت کے ردِعمل کے طور پر تمہارا جوابی رویّہ ایسا ہونا چاہئے جو نہایت اعلیٰ ہو۔ بہت عمدہ ہو۔ دیکھنے والے دیکھیں کہ لوگ گالیاں دے رہے ہیں، تمسخر و استہزاء کر رہے ہیں تم دعائیں دے رہے ہو۔ جب تم پر پتھروں کی بارش ہو تو جواب میں تم پھول پیش کرو یہ بات جان لیجئے کہ یہ کام آسان نہیں ہے۔ اسی لئے آگے چل کر فرمایا ہے: وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ نہیں پہنچ سکتے اس مقام اور مرتبہ کو مگر وہی جن میں سہار کا مادہ ہو، جن میں صبر اور تحمل ہو۔ جو جھیل جانے والے ہوں، جو کڑوے گھونٹ حلق سے نیچے اتارنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ جن میں سختیوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنے کا حوصلہ ہو۔ یہ لوگ برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے، سختی کے جواب میں سختی نہیں کرتے اور یہ وہ لوگ ہیں جو بڑے نصیبے والے ہیں۔ صاحبِ حظِ عظیم ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اس مقام پر کامل ترین مثال تو جناب محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ اس کا مرتبہ بکمال وبتمام مصداق تو، ذاتِ محمدؐ ہے علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ طائف کی گلیوں میں پتھراؤ ہو رہا ہے۔ جسم مبارک لہولہان ہو گیا ہے۔ نعلین شریف خون سے جم گئی ہیں۔ لوگ تالیاں پیٹ رہے ہیں۔ استہزاء اور تمسخر ہو رہا ہے، ٹھٹھے لگائے جا رہے ہیں، دل کو چھید دینے والے طنز وطعن کے تیر برسائے جا رہے ہیں۔ لیکن جب حضور وہاں سے واپس تشریف لاکر ایک پہاڑی کے دامن سے سہارا لے کر کچھ دیر استراحت فرما رہے ہوتے ہیں۔ اس وقت ملک الجبال خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتا ہے۔ وہ فرشتہ جو پہاڑوں کے انتظام وانصرام پر مامور ہے اور وہ عرض کرتا ہے کہ حضور مجھے اللہ تعالیٰ نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ اگر آپ حکم دیں تو میں ان پہاڑوں کو آپس میں ٹکرا دوں؟ جن کے مابین طائف

کی یہ بستی آباد ہے اور اس میں بسنے والے سب لوگ پس کر سرمہ ہوجائیں، لیکن حضورؐ رحمۃ العالمینؐ نے فرمایا نہیں۔ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ان کی آئندہ نسلوں کو ہدایت کی توفیق عطا فرما دے۔ غور کیجئے! کہ یہ کتنی بڑی تاریخی حقیقت ہے کہ ہم پاکستان کے بسنے والے نبی اکرمؐ کے اِس قول کو زیادہ بہتر طریق پر سمجھ سکتے ہیں چونکہ اس سرزمین میں، اسلام کا پیغام لانے والی شخصیت محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ یہ کون تھے؟ یہ ثقفی تھے۔ بنو ثقیف کا قبیلہ طائف میں رہنے والا قبیلہ تھا۔ اگر طائف کی وہ بستی، تباہ و برباد کر دی گئی ہوتی تو محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کہاں سے آتے۔!

صبر و تحمل کی یہ جو چوٹی ہے اور کردار کی یہ جو بلندی ہے، میں نے عرض کیا کہ اس کی کامل ترین مثال اور مصداق ہیں محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کے بعد درجہ ہے تمام انبیاء و رسل کا اور پھر مقام و رتبہ ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا۔

صحابہ کرامؓ کے دورِ سعید کے بعد اس نقشے پر ہمیں نظر آتے ہیں اولیاء اللہ اور صوفیاء کرام رحمہم اللہ علیہم۔ انہوں نے جس طرح نفرت کا جواب محبت سے دیا۔ انہوں نے جس طرح گالیوں کے جواب میں دعائیں دیں۔ لوگوں کی طرف سے دی جانے والی ایذاؤں کے جواب میں جس طرح انہوں نے خدمتِ خلق کو اپنا شعار بنایا، اس کے جو نتائج نکلے، اسے کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے کہ:

ع۔ جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتحِ زمانہ

اِن بزرگوں نے دلوں کو فتح کیا اور وہ زمانہ کے فاتح بنے۔ غور کیجئے کہ حضرت شیخ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کفر کے گڑھ میں آکر بیٹھے۔ ان کے پاس کونسی قوتِ تسخیر تھی جس کے نتیجہ میں نوّے ہزار اشخاص، ایک فردِ واحد کے ہاتھ پر ایمان لے آئے۔ پھر دیکھئے شیخ بابا فرید الدین رحؒ کے ہاتھ پر دریائے ستلج اور دریائے راوی کے دونوں طرف راجپوتوں کے جتنے قبائل آباد تھے وہ سب کے سب اس فردِ واحد کی تبلیغ سے ایمان کی دعوت قبول کرنے والے بنے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اِن بزرگوں کی زندگیاں نقشہ تھیں اسوۂ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا۔

اب آیتِ زیرِ درس کی طرف رجوع کیجئے، فرمایا: وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ نیکی اور بدی برابر نہیں ہیں۔ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ‌۔ مدافعت کرو۔ لوگوں کی مخالفت کو دور کرو، اسے دفع کرو، اسے غیر مؤثر بنا دو۔ لیکن اُس طور سے جو نہایت اعلیٰ ہو، بہت عمدہ ہو، تو نتیجہ کے طور پر تم دیکھو گے: فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۔ کہ وہی جو آج تمہارے دشمن ہیں، خون کے پیاسے ہیں، وہی کل تمہارے جاں نثار ہوں گے۔ جو آج تمہارا خون بہانے کے درپئے ہیں، کل جہاں تمہارا پسینہ گرے گا وہاں وہ اپنا خون بہانے کو اپنے لئے موجبِ سعادت سمجھیں گے۔

یہ بات جان لیجئے کہ کچھ ایسی مسخ شدہ طبیعتیں بھی ہوتی ہیں (Perverted Nature) کے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ جن پر محبت بھی اثر انداز نہیں ہوتی۔ ابوجہل نے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلقِ عظیم کا اثر قبول نہیں کیا۔ ابولہب میں وہ صلاحیت باقی نہیں رہی تھی کہ وہ فاتحِ عالمِ محبت جس کے جناب محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیکرِ مجسّم تھے اسے متأثر کرسکتی۔ لیکن ایسی مثالیں استثنائی ہوتی ہیں۔ بحیثیتِ مجموعی نوعِ انسانی محبّت، اعلیٰ وارفع اخلاق اور ہمدردی، دلسوزی، دمسازی کے طرزِ عمل کا اثر قبول کرتی ہے، جلد یا بدیر۔

اِس کے بعد فرمایا: وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ ۔ اگر کبھی شیطان کی طرف سے بر بنائے طبعِ بشری کوئی اکساہٹ ہو ہی جائے اور ہوسکتا ہے کہ گالیاں دینے والوں، استہزا اور تمسخر کرنے والوں تشدد وتعدّی کرنے والوں اور الزام تراشیاں کرنے والوں کی باتوں پر دل میں غصہ اور انتقام کا جذبہ پیدا ہو ہی جائے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی وقت انسان کا نفس اسے آمادہ کرے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دو۔ ہوسکتا ہے کہ اِن تمام مخالفانہ ومعاندانہ حرکتوں سے انسان کی طبیعت میں اشتعال کی کیفیت پیدا ہو جائے۔ یہ صورتِ حال محسوس کرو تو جان لو کہ یہ شیطان کی وسوسہ اندازی ہے۔ یہ اس کی اکساہٹ ہے۔ وہ تمہیں اس راستہ پر ڈال کر تمہاری دعوت کو نقصان پہنچانا اور اسے غیر مؤثر کر دینا چاہتا ہے۔ داعی

(بقیہ صـ ۹۲ پر)

اسلامی انقلاب : مراحل، مدارج اور لوازم

فتح مُبین

صُلح حدیبیہ ○ فتحِ خیبر اور فتح مکّہ

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے

(ساتویں خطاب کی دُوسری قسط)

ترتیب و تسوید جمیل الرحمٰن

صلح نامہ کی تحریر، شرائط اور چند اہم واقعات

یہ بات تو برسبیل تذکرہ درمیان میں آگئی۔ اب آیئے پھر سہیل ابن عمرو کی مصالحت کی گفتگو کی طرف ـــ اِس موقع پر یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ قریش کو بیعتِ رضوان کی خبر پہنچ چکی تھی جس پر ان میں کافی سراسیمگی پھیل گئی تھی۔ اسی لیے انہوں نے سہیل ابنِ عمرو کو اپنی طرف سے نمائندہ بنا کر بھیجا تھا کہ وہ ایسی شرائط پر مصالحت کرلیں جو قریش کے لیے آبرومندانہ ہوں۔ سبکی کا باعث نہ ہوں۔ وہ جب حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے مصالحت کا عندیہ ظاہر کیا اور گفت وشنید کے بعد طے ہوا کہ صلح نامہ تحریر کر لیا جائے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح نامہ تحریر (DICTATE) کرانا شروع کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کاتب کا فرض انجام دے رہے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا: لکھو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ"۔ سہیل ابنِ عمرو نے فوراً ٹوک دیا کہ نہیں! ہم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے واقف نہیں ہیں۔ ہم تو ہمیشہ سے 'باسمک اللّٰھم

استعمال کرتے رہے ہیں لہٰذا یہی الفاظ لکھے جائیں گے۔ ہم آپؐ کے الفاظ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ۔۔۔ حضورؐ نے فرمایا" ٹھیک ہے لکھ دو، باسمک اللّٰھم" فرق کوئی واقع نہیں ہوتا۔" اس کے بعد حضورؐ نے حضرت علی رضؓ سے فرمایا کہ لکھو کہ "یہ وہ صلح ہے جو محمد رسول اللہ اور قریش کے مابین منعقد ہوئی" سہیل ابن عمرو نے فوراً دوسرا اعتراض جڑ دیا کہ" محمد الرسول اللہ کے الفاظ نہیں لکھے جاسکتے۔ اس لیے کہ اسی پر تو ہمارا سارا تنازعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ صلح نامہ کے نیچے فریقین کے دستخط ہوں گے یہ پوری عبارت گویا دونوں کے مابین متفق علیہ ہوگی لہٰذا اس میں اگر آپؐ کا نام رسول اللہ لکھا ہوا ہے تو ہم اگر آپؐ کو رسول اللہ مان لیں تو کوئی جھگڑا ہی نہ رہے، کوئی تنازعہ باقی نہ رہے۔ پھر صلح کا کیا سوال! اس آپؐ کے نام کے ساتھ رسول اللہ لکھا نہیں جائے گا۔"

سہیل ابن عمرو کا یہ اعتراض قانونی اعتبار سے درست تھا، VALID تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کتنے ذہین اور مدبر شخص تھے ۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعتراض پر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ تم مانو یا نہ مانو میں اللہ کا رسول ہوں۔

حضرت علی رضؓ کا طرزِ عمل

ساتھ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا جو اس صلح نامہ کی کتابت کر رہے تھے کہ" علی! رسول اللہ کے الفاظ مٹا دو اور اس کی جگہ محمد ابن عبداللہ لکھ دو" صلی اللہ علیہ وسلم ۔۔۔ حضرت علی رضؓ نے جواب میں عرض کیا کہ" حضورؐ! یہ کام میں نہیں کر سکتا۔"

میں آپ حضرات سے عرض کرتا ہوں کہ آپ اس بات کو خوب اچھی طرح نوٹ کرلیں اس لیے کہ بعد میں ایک گروہ نے ایک دوسرے واقعہ کو جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے، اس پروپیگنڈے کی بنیاد بنایا کہ حضرت عمر رضؓ نے حضورؐ کی شان میں گستاخی کی اور انہوں رضؓ نے صلح نامہ حدیبیہ پر ناراضگی اور خفگی کا اظہار کیا جو مستلزم ہے اظہار عدم اعتماد کو ۔۔۔ چنانچہ اس بات کو ایک خاص گروہ نے حضرت عمر فاروق رضؓ کی شخصیت کو مجروح کرنے اور سبّ وشتم کا نشانہ بنانے کا رویّہ اختیار کرنے کے سبب استعمال کیا جو تا حال جاری ہے۔ میں عرض کردوں گا کہ یہاں نوٹ کیجئے کہ اگر یہ کہا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ حضرت علی رضؓ اس موقع پر نبی اکرمؐ کی حکم عدولی کر رہے ہیں کہ حضورؐ فرما رہے ہیں کہ رسول اللہ کے الفاظ مٹا دو اور وہ کہہ رہے ہیں کہ نہیں مٹاؤں گا ۔۔۔

اِس موقع پر حضورؐ نے پھر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ کہاں ہیں وہ الفاظ! چونکہ آپؐ نوائی تھے۔ صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ دنیوی طور پر لکھنا پڑھنا آپؐ نے نہیں سیکھا تھا تو حضرتِ علی رضؓ نے وہ مقام بتایا اور حضورؐ نے اپنے دستِ مبارک سے وہ الفاظ مٹا دیئے۔ پھر وہاں لکھا گیا کہ محمد ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب اور قریش کے مابین یہ معاہدہ طے پایا۔

معاہدہ کی شرائط

اِس معاہدہ کی جو شرائط تھیں ان میں سے بعض بظاہر نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کرام رضؓ کے لیے نہایت سبکی کا باعث اور توہین آمیز تھیں رسہیل نے سب سے پہلے تو یہ شرط پیش کی کہ ہم یہ برداشت کر ہی نہیں سکتے کہ اِس سال مسلمان عمرہ کریں۔ اِس سال عمرہ کرنے کی اجازت دینے کا مطلب تو یہ ہوگا کہ پورے عالمِ عرب میں یہ بات مشہور ہو جائے کہ محمّد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی بات پوری ہو گئی اور قریش کو جھکنا پڑا اور ہتھیار ڈالنے پڑے۔ لہذا اِس سال تو آپؐ کو یہیں سے واپس جانا ہوگا۔ البتّہ اگلے سال آپؐ تشریف لے آیئے اور ہم تین دن کے لیے مکّہ کو خالی کر دیں گے۔ ہم پہاڑوں پر چلے جائیں گے مکّہ آپؐ کے DISPOSAL پر ہوگا۔ آپؐ وہاں رہیئے اور عمرہ کیجیئے۔ مکّہ والے وہاں رہیں گے ہی نہیں تاکہ کوئی شخص بھی جذبات سے مشتعل ہو کر کوئی اقدام نہ اُٹھا بیٹھے۔ اِس تصادم کے امکان کو بھی روک دیا جائے گا۔ البتّہ آپؐ کے ساتھ تلواریں اگر ہوں گی تو وہ نیام میں ہوں گی اور نیام بھی تھیلوں میں بند ہوں گے۔ تھیلے احرام کی حالت ہی میں ہاتھ میں رہیں گے۔ یہ نہیں ہوگا کہ تلواریں نیام میں ساتھ لٹکی ہوئی ہوں۔ دوسری شرط یہ تھی کہ دس سال تک ہمارے اور آپؐ کے مابین بالکل امن رہے گا۔ کوئی جنگ نہیں ہوگی۔ تیسری شرط یہ طے ہوئی کہ عرب کے دوسرے قبائل میں سے جو چاہے ہمارا حلیف بن جائے اور جو چاہے آپؐ کا حلیف بن جائے۔ فریقین کے حلیف بھی امن وامان سے رہیں گے۔ ان کے مابین بھی جنگ وجدال بالکل نہیں ہوگی۔ یہاں نوٹ کیجئے کہ بنو خزاعہ جس کے سردار تھے بدیل ابن ورقہ جن کا مَیں نے ابتداء میں ذکر کیا ہے، انہوں نے وہیں سے اعلان کیا کہ ہم محمد کے ساتھ ہیں۔ صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ بنو بکر ایک دوسرا قبیلہ ہے جس کی بنو خزاعہ سے پُرانی دشمنی تھی ، اس نے فوراً دوسرا

رُخ اختیار کر لیا کہ ہم اس معاہدہ کی رو سے قریش کے حلیف ہیں۔ معاہدہ کی چوتھی شرط مسلمانوں کے لیے بظاہر بہت توہین آمیز اور دل آزاری کا باعث تھی۔ وہ یہ کہ اگر مکہ کا کوئی شخص اپنے ولی یا سرپرست کی اجازت کے بغیر مدینہ جائے گا تو مسلمانوں کو اُسے لوٹانا ہوگا۔ لیکن مدینہ سے اگر کوئی شخص مکہ آجائے گا تو اُسے ہم واپس نہیں کریں گے۔ یہ وہ شرط تھی کہ اس میں بڑی غیر منصفانہ (UN-EQUAL) بات پر سہیل ابنِ عمرو کا اصرار تھا۔ صحابہ کرام رضؓ اس پر بڑے جز بز ہوئے ۔ ان کے جذبات میں جوش و ہیجان پیدا ہوُا کہ ہم یہ صورت کیوں گوارا کر رہے ہیں !۔ ہم دب کر اور گر کر کیوں صلح کریں ! ہم اس وقت چودہ سو کی تعداد میں موجود ہے اور ہمیں تو شہادت کی موت مطلوب ہے۔ ہم بیعت علی الموت کر چکے ہیں اور ہم سب کے سب کلمۂ حق کے لیے اپنی گردنیں کٹوانے کے لیے تیار ہی نہیں بے تاب ہیں۔ لہٰذا ہم ان شرائط پر صلح کیوں کریں جو سہیل منوانا چاہتے ہیں ! جو بظاہر احوال واقعتاً گر کر اور دب کر صلح کرنے کے مترادف معاملہ تھا۔ صحابہ کرام رضؓ کے یہ جذبات تھے لیکن سب کے سب مہر بلب

حضرت عمر رضؓ کا اضطراب

یہ وہ لمحات ہیں جن کے متعلق ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ صحابہ کرام رضؓ کے جذبات کا کیا عالم ہوگا!

یہ وہ وقت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دینی حمیت و غیرت کے باعث اضطراب اتنا بڑھا کہ صبر کا دامن ان رضؓ کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ رضؓ آگے بڑھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ مکالمہ کیا جو تمام مستند سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے ۔ دنیا جانتی ہے کہ حضرت عمر رضؓ کو قدرت کی طرف سے جلالی طبیعت ودیعت ہوئی تھی ۔ اسلام کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد ان رضؓ کی اِس کیفیت میں کافی اعتدال آگیا تھا لیکن کبھی کبھار دین کی حمیت کے باعث اُس جلالی طبیعت کا غلبہ ہو جاتا تھا۔ دراصل یہ سبب تھا کہ انہوں رضؓ نے تیکھے انداز سے اس موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی۔ جس کا ان رضؓ کو ساری عمر تاسف رہا ہے اور انہوں رضؓ نے اُس اندازِ گفتگو کے کفارہ کے طور پر جو بظاہر گستاخانہ انداز تھا نہ معلوم کتنی نفلی عبادات کی تھیں ۔ انہوں رضؓ نے آپؐ سے عرض کیا "حضورؐ کیا آپؐ حق پر نہیں ہیں اور کیا آپؐ اللہ کے نبی نہیں ہیں !" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے جواب میں ارشاد فرمایا "یقیناً

مَیں حق پر ہوں اور مَیں اللہ کا نبی ہوں۔" پھر حضرت عمر رضؓ نے عرض کیا کہ" تو حضورؐ! پھر ہم اِس طرح معاملہ کیوں کر رہے ہیں!! کیا اللہ ہمارے ساتھ نہیں ہے!!!" حضورؐ نے پھر مسکراتے ہوئے فرمایا" اللہ میرے ساتھ ہے اور مَیں اس کا نبی ہوں اور مَیں وہی کچھ کر رہا ہوں جس کا مجھے حکم ہے"۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا تبسّم کے ساتھ جوابات کا انداز بتا رہا ہے کہ حضرت عمر رضؓ کے اِس اندازِ تخاطب سے آپؐ قطعی ناراض نہیں ہوئے تھے۔

صدّیق اکبرؓ کا جواب

ظاہر بات ہے کہ نبی اکرمؐ کے جوابات سُن کر حضرت عمر رضؓ کو حضورؐ سے تو مزید کچھ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی لیکن طبیعت میں ایک تلاطم ہے، ایک طوفان ہے، ایک ہیجانی کیفیت ہے۔ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے پاس گئے جو اُس وقت اِس خیمہ میں موجود نہیں تھے۔ ان رضؓ سے بھی اسی نوع کا مکالمہ ہُوا۔ حضرت عمر رضؓ نے کہا کہ" کیا ہم حق پر نہیں ہیں! اور کیا محمد اللہ کے رسول نہیں ہیں!! (صلّی اللہ علیہ وسلّم) — انہوں نے فرمایا کہ" کیوں نہیں۔ یقیناً ہم حق تھے۔ کیا مجال کہ اِس موقع پر کسی صحابی رضؓ کی زبان سے کوئی اعتراض یا احتجاج کا کوئی لفظ نکلا ہو۔

ابُوجندل رضؓ کی آمد

اِدھر جذبات کا یہ عالم تھا اُدھر اِس سلگتے ہوئے جذبات پر اِس واقعہ نے تیل کا کام کیا کہ انہی سہیل ابن عمرو کے صاحبزادے تھے ابوجندل رضؓ جو ایمان لا چکے تھے اور سہیل نے ان کو زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑ کر ایک کوٹھڑی میں بند کر رکھا تھا۔ پھر یہ کہ سہیل اور قریش کے دوسرے لوگ ان رضؓ کو بہت مارا کرتے تھے تاکہ وہ اِس تشدد سے گھبرا کر اپنے آبائی بُت پرستی کے دین کی طرف لوٹ آئیں۔ انہیں رضؓ جب پتہ چلا کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم حدیبیہ کے مقام پر مقیم ہیں جو مکّہ سے چودہ پندرہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے تو انہوں نے کسی نہ کسی طرح اپنی بیڑیاں تڑوائیں اور چھپتے چھپاتے حدیبیہ میں حضورؐ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ ابھی اِس معاہدہ کی سیاہی خشک بھی نہیں ہوئی تھی کہ اِس موقع پر ابوجندل رضؓ وہاں پہنچے ہیں۔ زنجیریں ان کے ہاتھوں میں پڑی ہوئی ہیں۔ جسم پر مار کے نشان ہیں۔ وہ رضؓ آئے اور نبی اکرمؐ کے قدموں میں لپٹ گئے۔ سہیل ابنِ عمرو نے فوراً کہا کہ یہ ہے

پہلا معاملہ۔ صلح کی جو شرائط ہمارے مابین طے ہوچکی ہیں ان کے مطابق آپؐ کو ابوجندلؓ کو میرے حوالے کرنا ہوگا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ "شرائط ضرور طے ہوگئی ہیں لیکن تم ان کو تو ہمارے ساتھ رہنے کی اجازت دے دو۔" سہیل نے کہا کہ "قطعاً نہیں، اسے تو بہر صورت آپؐ کو واپس کرنا ہوگا" حضورؐ نے پھر فرمایا "سہیل تم اس کو یہیں رہنے دو۔" اس نے فوراً کہا کہ "پھر ہمیں کوئی صلح نہیں چاہیے۔ شرائط کالعدم۔ اب تلوار ہی ہمارے درمیان فیصلہ کرے گی"۔ حضورؐ نے فرمایا کہ "اچھا تم نہیں مانتے تو ٹھیک ہے، صلح کی شرائط باقی رہیں گی جنگ سے صلح بہتر ہے"۔ ابوجندلؓ یہ چیخ رہے ہیں اور اب انہوں نے خیمہ میں موجود مسلمانوں سے استغاثہ کیا کہ "مسلمانو! مجھے کن بھیڑیوں کے حوالہ کررہے ہو!" — اب آپ اندازہ کیجئے کہ جذبات کا کیا عالم ہوگا! سب کے دل مجروح تھے لیکن جوش سے لبریز تھے۔ سینوں میں دل بے تاب تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذرا سا بھی اشارہ ہوجائے تو تلواریں نیام سے نکل آئیں — واقعہ یہ ہے کہ یہ مرحلہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اطاعت شعاری کا بڑا کڑا، بڑا شدید اور بڑا نازک امتحان تھا جس سے اللہ تعالیٰ ان کو گزار رہا تھا۔

حضرت عمرؓ کا اضطراب

یہ وہ لمحات ہیں جن کے متعلق ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے جذبات کا کیا عالم ہوگا! یہ وہ وقت ہے کہ حضرت عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دینی حمیت و غیرت کے باعث اضطراب اتنا بڑھا کہ صبر کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہؓ آگے بڑھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ مکالمہ کیا جو تمام مستند سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ حضرت عمرؓ کو قدرت کی طرف سے جلالی طبیعت ودیعت ہوئی تھی۔ اسلام کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد ان کیؓ اس کیفیت میں کافی اعتدال آگیا تھا۔ لیکن کبھی کبھار دین کی حمیت کے باعث اُس جلالی طبیعت کا غلبہ ہوجاتا تھا۔ دراصل یہ سبب تھا کہ انہوںؓ نے تیکھے انداز سے اس موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی۔ جس کا ان کو ساری عمر تاسف رہا ہے اور انہوںؓ نے اس انداز گفتگو کے کفارہ کے طور پر جو بظاہر گستاخانہ انداز تھا نہ معلوم کتنی نفلی عبادات کی تھیں — انہوں نے آپؐ سے عرض کیا "حضورؐ! کیا آپؐ حق پر نہیں ہیں اور کیا آپؐ اللہ کے نبی

نہیں ہیں !"۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے جواب میں ارشاد فرمایا "یقیناً مَیں حق پر ہوں اور مَیں اللہ کا نبی ہوں"۔ پھر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ "تو حضورؐ! پھر ہم اس طرح معاملہ کیوں کر رہے ہیں !! کیا اللہ ہمارے ساتھ نہیں ہے !!!"۔ حضورؐ نے پھر مسکراتے ہوئے فرمایا "اللہ میرے ساتھ ہے اور میں اس کا نبی ہوں اور میں وہی کچھ کر رہا ہوں جس کا مجھے حکم ہے"۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تبسم کے ساتھ جوابات کا انداز بتا رہا ہے کہ حضرت عمرؓ کے اس انداز تخاطب سے آپؐ قطعی ناراض نہیں ہوئے تھے۔

صدیق اکبرؓ کا جواب

ظاہر بات ہے کہ نبی اکرمؐ کے جوابات سن کر حضرت عمرؓ کو حضورؐ سے تو مزید کچھ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ لیکن طبیعت میں ایک تلاطم ہے، ایک طوفان ہے، ایک ہیجانی کیفیت ہے۔ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس گئے جو اس وقت اس خیمہ میں موجود نہیں تھے۔ ان سے بھی اسی نوع کا مکالمہ ہوا۔ حضرت عمرؓ نے کہا "کیا ہم حق پر نہیں ہیں !! اور کیا محمد اللہ کے رسولؐ نہیں ہیں !!" انہوں نے فرمایا کہ "کیوں نہیں یقیناً ہم حق پر ہیں۔ اور حضورؐ اللہ کے رسول ہیں"۔ حضرت عمرؓ نے پھر وہی بات کہی جو حضورؐ سے عرض کر چکے تھے کہ "پھر یہ کیا ہو رہا ہے اور ہم کیوں دب کر صلح کر رہے ہیں !"۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے جواب میں بعینہٖ وہی الفاظ کہے کہ "بے شک ہم حق پر ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور وہؐ وہی کرتے ہیں جس کا انہیںؐ حکم ہوتا ہے"۔ اسی لیے مَیں کہا کرتا ہوں کہ یہ ہے مقامِ صدیقیت — اور یہ کہ نبی اور صدیق کے مزاج میں بہت قرب ہوتا ہے۔

ایک مخصوص گروہ کی اتہام طرازی اور اس کا ازالہ

جیساکہ مَیں عرض کر چکا ہوں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساری عمر اس رویّہ پر جو بظاہر گستاخانہ معلوم ہوتا ہے پشیمانی اور تاسف رہا ہے اور وہ رضؓ کفّارہ کے طور پر ساری عمر متعدد نفلی عبادتیں کرتے رہے ہیں لیکن ایک خاص گروہ اس واقعہ کو لے اڑا ہے اور حضرت عمرؓ کو متہم کرتا اور سب وشتم کا نشانہ بناتا چلا آ رہا ہے کہ

وہ بڑے گستاخ تھے اور وہ ایسے تھے، ویسے تھے۔ الغرض ایک خاص گروہ کی طرف سے حضرت عمر رضؓ کی شان میں گستاخیاں کرنے اور انہیں متہم کرنے کے لیے اِس واقعہ کو بھی نمک مرچ لگا کر خوب اُچھالا جاتا ہے — میں اس بارے میں یہ عرض کیا کرتا ہوں کہ اگر اس معنی و مفہوم میں یہ بات لی جائے گی تو گویا بات حضرت عمرؓ کی ذات تک نہیں رہے گی بلکہ اس کی زد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی بھی آجائے گی کہ انہوں نے بھی گستاخی کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سرتابی کی۔ حالانکہ دنیا کا یہ مسلّم اصول ہے کہ "الامر فوق الادب" — حکم ادب سے بالاتر ہے۔ جب حکم دیا جا رہا ہو تو ادب و تعظیم کا معاملہ پیچھے رہ جائے گا۔ حکم پر بہرصورت عمل کیا جائے گا لیکن معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ نہ حضرت علی رضؓ کی نیّت میں کوئی خلل تھا اور نہ ہی حضرت عمر رضؓ کی نیّت میں کوئی فتور تھا — ان دونوں جلیل القدر اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے دلوں میں نہ بغاوت و سرتابی کے جراثیم تھے اور نہ ہی گستاخی کا کوئی ارادہ تھا۔ بلکہ درحقیقت یہ حمیّت حق تھی جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر کہ "رسول اللہ" کا لفظ صلح نامہ سے مٹا دو۔ حضرت علی رضؓ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہو گئے کہ "میں تو یہ کام کرنے والا نہیں ہوں"۔ اور اسی حمیّتِ حق کے سبب سے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایسا اندازِ گفتگو اختیار کیا — ان دونوں حضراتِ کرام رضؓ کے اس طرزِ عمل پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کوئی سرزنش فرمائی نہ ہی اظہارِ ناراضگی و ناپسندیدگی فرمایا — بلکہ حضرت علی رضؓ سے فرمایا کہ "مجھے بتاؤ کہ 'رسول اللہ' کے الفاظ کہاں مرقوم ہیں"، اور پھر اپنے دستِ مبارک سے اُسے مٹا دیا — میں عرض کر چکا ہوں کہ حضرت عمر رضؓ کے تیکھے انداز میں کیے گئے تمام سوالات کے جوابات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم کے ساتھ ارشاد فرمائے۔ یہ تمام باتیں اِس امر کی علامت ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان حضراتِ گرامی رضؓ کے جذبات کی صحیح نوعیت سے بخوبی آگاہ تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرتِ ابوجندل رضؓ کو نصیحت

بہرحال سہیل ابن عمرو کی ضد اور اصرار کو دیکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فیصلہ صادر فرمادیا کہ ابوجندل رضؓ کو سہیل رضؓ کے حوالہ کردیا جائے اور ان رضؓ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ "اے ابوجندل رضؓ! صبر کرو۔ اللہ تعالےٰ تمہارے لیے اور دوسروں کے لیے جو انہی حالات میں مظلومانہ طور پر مقید ہیں کوئی نہ کوئی راستہ نکال دے گا۔ ہم صلح کی شرائط طے کرچکے ہیں اور ان کی رو سے ہم پابند ہیں کہ تمہیں واپس کردیں۔" چنانچہ سہیل اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ واپس لے گئے۔

صحابہ کرام رضؓ کا غیر معمولی طرزِ عمل

اب جبکہ صلح ہوگئی۔ اِس پر دستخط ثبت ہوگئے اور سہیل واپس چلے گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضؓ سے فرمایا کہ "اب اُٹھو قربانی کے لیے جو جانور ساتھ لائے ہو ان کی یہیں پر قربانیاں دے دو اور احرام کھول دو۔" اب آپ اِس وقت مسلمانوں کے جذبات کا جو عالم تھا اس کا اندازہ کیجئے — ہوا یہ ایک شخص بھی نہیں اُٹھا — جذبات کی یہ کیفیت تھی کہ گویا ان کے اعصاب و اعضاء بالکل شل ہوگئے ہیں۔ حرکت کرنے کی بھی ان میں طاقت نہیں ہے۔ اِس درجہ ان کے دل بجھے ہوئے ہیں۔ ان کا جوش و خروش تو یہ تھا کہ وہ جان نثاری اور سرفروشی دکھائیں۔ اور اللہ کے دین کی راہ میں گردنیں کٹوا کر سُرخرو ہوجائیں۔ اُن الفاظِ مبارکہ کی تعمیل میں جو سورۂ احزاب میں وارد ہوچکے تھے کہ:

اِس آیت مبارکہ کی ترجمانی ہوگی ان الفاظ میں کہ:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ
فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ
وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ (۲۳)

"اہلِ ایمان میں کتنے جواں مرد ہیں کہ جنہوں نے جو عہد اپنے پروردگار سے کیا تھا اُسے پورا کر دکھایا پس ان میں وہ بھی ہیں جو اپنی گردنیں کٹوا چکے اور اپنا ہدیۂ جاں پیش کرچکے اپنی نذر اللہ کے حضور میں گزار چکے اور

ان میں کتنے ہیں جو منتظر ہیں کہ کب ہماری باری آئے اور ہم بھی ہم جانیں دے کر سرخرو ہو جائیں اور نہیں بدلا انہوں نے اپنے عہد کا ایک ذرہ بھی"

تو اُس وقت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ اجمعین کی یہ کیفیت تھی۔ معلوم ہُوا کہ اُس وقت حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جو جذباتی کیفیت صادر ہوئی۔ وہ صرف ان دونوں کی نہیں تھی بلکہ تمام مسلمانوں کی تھی۔ سب ہی دل شکستہ تھے۔ ہم تصوّر نہیں کرسکتے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم حکم دے رہے ہیں کہ "اٹھو، قربانیاں دے کر احرام کھول دو" ــــ اور کوئی ایک شخص بھی نہیں اُٹھ رہا ــــ دوسری مرتبہ حکم دیا کہ "اٹھو، یہیں قربانیاں کرو اور احرام کھول دو" ــــ پھر بھی کوئی نہیں اُٹھا ــــ صحابہ رضؓ کے ذہن میں تو یہ تھا کہ ہم مکّہ جائیں گے کعبہ کا طواف اور سعی کریں گے اور پھر قربان گاہ پر قربانیاں کریں گے ــــ جو جانور ساتھ ہیں وہ تو ہدی ہے کعبہ کی۔ اب یہاں پر ہم قربانیاں کیسے کردیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے تیسری مرتبہ پھر فرمایا "اٹھو، قربانیاں دے دو اور احرام کھول دو" ــــ میں تصوّر بھی نہیں کرسکتا کہ کسی اور موقع پر اس کا امکان بھی ہوسکتا ہے ــــ سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہُوا!! یہ اس لیے ہُوا کہ صحابہ کرام رضؓ کی جذباتی کیفیت ایسی تھی کہ وہ اس صورتِ حال کے لیے ذہناً تیار نہیں تھے وہ اپنی جانیں دینے اور گردنیں کٹوانے کے لیے تو تیار تھے لیکن جن شرائط پر صلح ہُوئی تھی، اُسے ان کے اعصاب اور مزاج قبول نہیں کر رہے تھے اور اُن کے اعصاب گو یا شل ہوکر رہ گئے۔

امّ المومنین حضرت اُمِّ سلمہ رضؓ کا مُدبّرانہ مشورہ

الحمدللہ ہمارے محدّثین عظام رحؒ نے ہمارے لیے تمام واقعات کی تفاصیل محفوظ کردی ہیں، چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کچھ ملول ہوکر اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ حضور ؐ کا یہ معمول تھا کہ سفر میں ایک زوجہ محترمہ کو ساتھ رکھتے تھے۔ سفر کے موقع پر قرعہ پڑا کرتا تھا کہ اِس مرتبہ کون ساتھ جائے گا۔ تو حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا اِس

سفر میں حضورؐ کے ساتھ تھیں۔ حضورؐ خیمہ میں تشریف لے گئے اور حضرت اُمِّ سلمہ رضؓ سے ذکر کیا ـــ اور ظاہر بات ہے کہ صدمہ کے انداز سے ذکر کیا کہ میں نے تین مرتبہ کہا کہ "اٹھو، قربانیاں دے دو اور احرام کھول دو" لیکن کوئی ایک شخص بھی نہیں اُٹھا"۔ ـــ اِس پر انہوں نے عرض کیا کہ حضورؐ آپ زبان سے کچھ نہ فرمایئے۔ آپؐ خیمہ سے باہر تشریف لے جایئے۔ قربانی دیجئے اور حلق کرا کے احرام کھول دیجئے"۔ ـــ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اِس مشورہ پر عمل کیا، باہر تشریف لائے، قربانی دی، حجّام کو بلایا کہ میرے سر کے بال مُونڈ دو اور بعدہٗ احرام کھول دیا۔

صحابہ کرام رضؓ کا ردِّ عمل اور اس کی تاویل

صحابہ کرام رضؓ نے جب یہ سب کچھ دیکھ لیا تو اب سب کے سب کھڑے ہو گئے جو حضرات ہدی کے جانور ساتھ لائے تھے، انہوں نے قربانیاں دیں اور تمام صحابہ کرام رضؓ نے حلق یا قصر کرایا اور احرام کھول دیئے۔

تاویل: میں اس صورتِ حال کی تاویل یہ کیا کرتا ہوں کہ صحابہ کرام رضؓ پر ابھی تک ایک حالتِ منتظرہ طاری تھی۔ وہ اِس خیال میں تھے کہ شاید صورتِ حال بدل جائے! شاید کوئی نئی شکل پیدا ہو جائے۔ شاید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نئی وحی آجائے!! ـــ جب تک یہ صورت سامنے نہیں آئی کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خود قربانی دینے اور حلق کرانے کے بعد احرام کھول دیا تو اُس وقت سے پہلے ان کے ذہنوں میں صورتِ حال کی تبدیلی کا ایک امکان برقرار تھا کہ جس کے وہ شاید انتظار میں تھے۔ لیکن جب نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے احرام کھول دیا تو صحابہ کرامؓ جان گئے کہ یہی آخری فیصلہ ہے چنانچہ حالتِ منتظرہ ختم ہو گئی اور سب نے احرام کھول دیئے۔ عمرہ کی جو نیّت کی ہوئی تھی، اُسے اگلے سال کے لیے مؤخر کرتے ہوئے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیبیہ سے مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ (جاری ہے)

ٹینٹ اور ترپال

بنانے کا
ممتاز ادارہ

ایچ نظام دین
اینڈ سنز

مرکزی دفتر
محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

حکیم محمود احمد برکاتی

"اِستحکامِ پاکستان" ــــ ایک جائزہ

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی زیر تالیف کتاب استحکام پاکستان پیشِ نظر ہے۔

استحکام پاکستان ایک توجہ طلب مسئلہ اور بیحد اہم موضوع ہے، مؤلف قابل تبریک ہیں کہ انہوں نے اس اہم موضوع کی طرف توجہ فرمائی، جس کا نتیجہ یہ معلومات افزا، فکر انگیز اور قابلِ قدر کتاب ہے کتاب میں تحریک پاکستان کے تاریخی پس منظر اور مملکت پاکستان کے چالیس سالہ ماضی و حال کا جائزہ لیا ہے یہ جائزہ بھرپور اور جامع ہے، متوازن اور حقیقت پسندانہ ہے۔ پھر عدم استحکام کے اسباب کی تحقیق کی ہے اور استحکام کی تدابیر تجویز کی ہیں۔

مؤلف کا اندازِ فکر معروضی اور حقیقت پسندانہ ہے اور جذباتیت سے ان کا دامن پاک ہے انہوں نے اپنے نتائجِ افکار کا اظہار بڑی بیباکی کے ساتھ کیا ہے اور مختلف طبقات پر اظہار رائے میں مروت کا شکار نہیں ہوتے ، افراد اور جماعات پر اظہارِ خیال میں بڑی وسعت قلب، دیانتداری اور روا داری کا ثبوت دیا ہے، خصوصاً خادم دین اشخاص اور حلقوں کے ساتھ ہنر گوئی اور قدر دانی کا معاملہ کیا ہے۔

آیئے، پہلے کتاب پر ایک نظر ڈالیں، پہلے ایک تمہید ہے جس میں پاکستان کے اپنی عمر کے چالیس سال پورے کر لینے پر بنی اسرائیل کی تاریخ کے حوالے سے یہ امید ظاہر کی ہے کہ ملت پاکستان بھی، بنی اسرائیل کی طرح، اپنا چہل سالہ عہد غفلت بسر کر کے بیدار ہو گی اور منزلِ مقصود کی طرف اقدام کرے گی۔

پھر اصل کتاب گیارہ ابوب پر مشتمل ہے جن میں سے پہلے پانچ الواب کا رنگ کچھ اور ہے اور دوسرے چھ الواب کا رنگ کچھ اور ابتدا کے پانچ ابواب میں پاکستان کے عدم استحکام کے اسباب تحریک پاکستان کی اساس استحکام پاکستان کی اساسات، اسلام کی نوعیت اور ملتِ پاکستان کی اسلام سے بے تعلقی پر گفتگو کی ہے جو مؤلف کی وسعت نظر، تہ رسی، جراتِ گفتار اور سیاسی بصیرت پر دال ہے۔

بعد کے چھ ابواب میں ہمت شکن اور یاس انگیز گفتگو کے برعکس، تصویر کا روشن رُخ دکھایا ہے کیونکہ ان ابواب کا موضوع، پاکستان کا ماضی و حال نہیں بلکہ مستقبل ہے، پہلے باب میں پاکستان کے غیر متوقع اور غیر مترقب قیام کا ذکر ہے۔ دوسرے میں قائدِ اعظم علیہ الرحمۃ کے کمالِ تدبر اور بلندیٔ کردار پر گفتگو کی ہے۔ تیسرے میں پاکستان کی بقاء کی کوئی تدبیر نہ ہونے اور والیانِ پاکستان کی نااہلی و بے تدبیری کے باوجود اس کے باقی رہ جانے کا بیان ہے کہ یہ صرف نصرتِ حق کا کرشمہ ہے، اس کے بعد ایک باب میں اسلام کے متوقع عالمی غلبے کے حوالے سے پاکستان میں بھی اسلام کے نفاذ کی توقع ظاہر کی ہے، دسویں باب میں الف ثانی کی تجدیدی مساعی کا تذکرہ ہے جس میں شیخ مجدد، شاہ محدث، تحریک مجاہدین، حضرت اقبال، تبلیغی جماعت، جماعتِ اسلامی کی خدمات پر روشنی ڈالی ہے، آخری باب کا عنوان ہے فیصلہ کن دوراہا، ایک راستہ تباہی کی طرف، ایک راستہ منزل مراد کی طرف۔!

اب میں کتاب کے ان پہلوؤں کی طرف اشارات کروں گا جن سے میں متاثر ہوا ہوں۔

۱۔ پہلی چیز مؤلف کی وسعتِ نظر ہے، ظاہر ہے کہ یہ ایک سیاسی موضوع ہے، میں نے اب تک ڈاکٹر صاحب کی کوئی سیاسی تحریر نہیں پڑھی تھی، اس لیے یہ کتاب پڑھ کر اس پہلو سے دلی مسرت ہوئی کہ الحمدللہ ہماری دینی تحریکات میں ایسے حضرات بھی ہیں جو سیاسی موضوعات کے مالہ و ماعلیہ سے پوری طرح باخبر ہیں۔ ورنہ ہمارے بعض اکابرین کے نزدیک تو سیاست شاید محرمات میں سے ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے موضوع سے متعلق اکثر قابل ذکر تحریروں کا مطالعہ کر کے بڑے سلیقے سے مواد جمع کیا ہے اور یوں مسلح ہو کر قلم ہاتھ میں لیا ہے، کتاب پڑھ کر مؤلف کے اخذ کردہ نتائج سے اختلاف کیا جا سکتا ہے مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے موضوع پر فکر و مطالعہ کا حق ادا نہیں کیا، ان کا استحضار بھی قابلِ رشک ہے، کتاب میں متعدد مقامات پر مجھے ایسے واقعات نظر آئے جو علم میں تھے لیکن مستحضر نہیں رہے تھے، ڈاکٹر صاحب نے انہیں یاد رکھا اور برمحل صرف کیا ہے

۲۔ مؤلف کی جرأتِ اظہار بھی قابل ذکر ہے۔ ایک مقام پر انہوں نے پاکستان کے محرکات کی تشخیص کرنی چاہی ہے اور طویل گفتگو کے بعد یہ دعویٰ کیا ہے کہ پاکستان کا محرک مذہبی جذبہ نہیں قومی جذبہ تھا اور اس کی دلیل یہ دی ہے کہ

تحریکِ پاکستان کی اصل قیادتِ علیا ہرگز مذہبی لوگوں پر مشتمل نہیں تھی۔[۴۷]

پھر لکھتے ہیں۔

تحریکِ پاکستان کی اصل قیادت جن لوگوں کے ہاتھوں میں تھی وہ نہ صرف اس وقت عوامی سطح پر مروجہ تصورات کے مطابق مذہبی لوگ نہ تھے بلکہ ان کی اکثریت جدید دور کی مروجہ اصطلاح کے مطابق (PRACTICING MUSLIMS) پر مشتمل نہ تھی ص۴۸

اسی سلسلہ کلام میں آگے چل کر لکھتے ہیں۔

ایسے وہ علماء و مشائخ جنہوں نے تحریکِ پاکستان کا ساتھ دیا تو خواہ وہ اپنے اپنے مقام کی بھی مرتبے اور حیثیت کے مالک رہے ہوں واقعہ یہ ہے کہ تحریکِ پاکستان کی قیادت کے ضمن میں ان کا مقام اولین صف میں نہیں بلکہ ثانوی درجے میں تھا اور ان کی اصل حیثیت قائدین کی نہیں بلکہ معاونین کی تھی ص۴۹

کتاب کے پانچویں باب میں پاکستانی مسلمانوں کے اسلام سے تعلق کا تجزیہ کیا ہے اور صاف لکھ دیا ہے کہ۔

ہماری عظیم اکثریت کا مذہب کے ساتھ سرے سے کوئی تعلق نہیں ہے ص۱۴۱

پھر ہمارے معاشرے کے ایک طبقے کے متعلق جو دنیا سے دلچسپی رکھنے والا طبقہ شمار ہوتا ہے یہ بے محابا اظہارِ حق کرتے ہیں۔

اس طبقے کی ایک عظیم اکثریت کا تصور دین نہ صرف یہ کہ نہایت محدود ہے بلکہ اکثر و بیشتر حالتوں میں سخت مسخ شدہ ہے چنانچہ ان کے نزدیک مذہب صرف علامات و رسومات کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے اور اس کا کوئی تعلق نہ ان کی انفرادی سیرت و کردار سے رہ گیا ہے نہ قومی و ملی اور اجتماعی معاملات سے نتیجۃً وہ دین جو اپنی اصل فطرت کے اعتبار سے پوری انسانی زندگی پر حکمرانی چاہتا ہے ان کہ یہاں زندگی کے بہت ہی چھوٹے سے گوشے میں محدود ہو کر رہ گیا ہے اور اس کے وسیع تر تقاضوں کا انہیں سرے سے کوئی احساس نہیں رہا،، ص۱۴۲

دوسرے پیرے میں اپنی تراکو مزید تلخ کر کے فرماتے ہیں۔

"اس طبقے کی غالب اکثریت کا یہ حال ہے کہ دینداری کے جملہ مظاہر یعنی نماز روزہ اور حج حتیٰ کہ پوری شرعی وضع قطع کے ساتھ بلیک مارکیٹ بھی چلتی ہے اور ذخیرہ اندوزی بھی، اسمگلنگ بھی جاری رہتی ہے اور کرنسی کا غیر قانونی لین دین

بھی، اشیا ءخورد و نوش ہی نہیں ادویات تک ان کے ہاتھوں ملاوٹ ایسی
حد درجہ مکروہ حرکت سے محفوظ نہیں رہیں انکم ٹیکس اور کسٹم ڈیوٹی کی چوری کو
مباح کا مقام دینے میں رہیں ذرا باک نہیں، رشوت دی بھی جاتی ہے۔ اور لی بھی،
سودی رقوم سے کاروبار وسیع تر کرنا اور مکان تعمیر کرنا تو شیرِ مادر ہے ہی جہاں موقع
ملے سٹے سے بھی اجتناب نہیں، ان سب پر مستزاد یہ کہ الا ماشاء اللہ اس حلقے کی اکثریت
ذاتی اخلاق اور بین الانسانی معاملات کے دائرے میں بالعموم بہت پستی کردار
کا مظاہرہ کرتی ہے،، صـ۴۶

عوام کے طبقات کے بعد جب دینی جماعتوں کی بات آتی ہے تو اگرچہ مؤلف نے تبلیغی جماعت
اور جماعت اسلامی کے ساتھ لطف و مروت کا معاملہ کیا ہے، جماعت اسلامی سے میری مراد مولانا
مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی مرحوم و مغفور جماعت اسلامی نہیں، میاں طفیل محمد کی جماعت اسلامی ہے
اور تبلیغی جماعت کے نہی عن المنکر سے اجتناب کو نمایاں نہیں کیا۔ بہر حال مؤلف نے ملک کی جمعیتوں
کے سلسلے میں بڑی دردمندی اور دل سوزی کے ساتھ لکھا ہے۔

”مذہب کی نام لیوا بلکہ علم بردار جماعتوں اور جمعیتوں کے بارے میں سب سے
نمایاں المیہ ان کا باہمی اختلاف بلکہ مخالفت ہے جو حد درجہ مکروہ الزام تراشی بلکہ
دشنام طرازی کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ ۔ ۔
جس مایوس کن شکست کا سامنا مذہب کے نام لیواؤں کو ملک کے عام انتخابات میں
کرنا پڑتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس میں بہت حد تک دخل اس باہمی تفرقہ بازی اور
سر پھٹول کو حاصل ہے۔“ صـ۴۸

معتشر علماء کے لیے ایک مقام پر اس سے بھی زیادہ واشگاف الفاظ میں لکھا ہے۔

علماء دین کے حلقے میں ایک کثیر تعداد ان علماء سو کی ہے جن کی روش سے ہویدا
حب دنیا، حب مال، حب جاہ ان کے ایمان کی ناگفتہ بہ حالت کی غمازی کر رہی ہے
مزید براں ان کی پیدا کردہ فرقہ واریت کی ہولناکی روز بروز بڑھ رہی ہے اور قومی
سطح پر تشتت و انتشار میں ایک مزید اور حد درجہ تشویش ناک سمت کا اضافہ کر رہی ہے صـ۳۴

۱۳۔ مؤلف نے ایک سلسلہ کلام میں بھٹو صاحب کے ایک قابل تحسین بلکہ نہایت جرأت مندانہ
اور تاریخی اقدام کا تحسین و سپاس کے انداز میں ذکر کرکے اپنی دیانت داری کا ثبوت دیا ہے،

بھٹو صاحب کے عہد اقتدار و تسلط میں قادیانیوں کے کفر و ارتداد کا جو فیصلہ ہوا تھا واقعہ یہ ہے کہ اس کی جتنی بھی ستائش کی جائے کم ہے، جو کام خواجہ ناظم الدین جیسے نیک مرد کے زمانے میں انجام نہ دیا جا سکا وہ قدرت نے بھٹو صاحب جیسے جری و قوی انسان کے لیے مختص کر دیا تھا، بھٹو صاحب اپنے ناکام اور ظالمانہ عہد حکومت کی بنا پر اہل پاکستان کے لیے ناپسندیدہ شخصیت ہیں اور ان کا نام آتے ہی ذائقے میں تلخی گھل جاتی ہے مگر ہر شخص میں معائب کے ساتھ محاسن بھی ہوتے ہیں اور ہماری کسی ناپسندیدہ شخصیت سے بھی کوئی قابل تعریف کام بھی سرزد ہو سکتا ہے، اس کام کی تحسین بجائے خود قابل تحسین ہے۔

اب میں بعض ایسے پہلوؤں کی طرف ڈاکٹر صاحب کی توجہ دلاؤں گا جو مجھے کھٹکے۔

اس کتاب میں سب سے زیادہ جو چیز کھٹکتی ہے وہ ہے طول کلام، جس سے مراد ہے موضوع سے غیر متعلق تفاصیل چاہے وہ کتنی ہی دلچسپ، معلومات افزا اور کسی دوسرے مقصد کے لیے مفید کیوں نہ ہوں لیکن موجودہ موضوع سے غیر متعلق ہوں تو ان کے ذکر سے قاری کا عطف توجہ ہو جاتا ہے قرآنی طرز بیان یہی ہے کہ کسی واقعے کے صرف وہ پہلو بیان کیے جائیں جو مقصد سے متعلق ہوں اور مقصد سے غیر متعلق تفاصیل و جزئیات نظر انداز کر دی جائیں میں ضرورتاً نشان دہی بھی کر دیتا ہوں۔

باب سوم کے ایک مقام پر مولانا شبلی کے رشتوں کا ذکر صہ۱

باب چہارم کا وہ مقام جہاں صفدر میر کا نام آیا ہے۔ صہ۲۲

تمہید کا وہ مقام جہاں پروفیسر مرزا محمد منور کا ذکر ہے صہ۳۴

تمہید کا وہ حصہ جہاں سلیم چشتی مرحوم کی ایک روایت نقل کی گئی ہے صہ۱۹

تمہید کا وہ حاشیہ جہاں بھٹو صاحب کے آبائی وطن کی تحقیق کی گئی ہے صہ ۲۹

تمہید کے وہ دو صفحے جن میں ایک آیۃ مبارکہ سے استفادہ کا واقعہ درج ہے۔ صہ۳۲، ۳۴

"ذاتی وضاحت" کے لیے سوا دو سو صفحات کی اس کتاب میں ۱۲ صفحات کا صرف بے جا ہے۔

۲۔ مولانا شبیر احمد عثمانی کو پاکستان کے پہلے اور آخری شیخ الاسلام لکھا ہے صہ۱۳ مولانا عثمانی اکابر علماء میں سے تھے، تحریک پاکستان کے حامیوں میں سے تھے، دستور ساز پاکستان کے رکن تھے مگر شیخ الاسلام انہیں کس نے بنایا تھا، کب بنایا تھا؟

۳۔ مولانا حسین احمد مدنی کے نظریۂ قومیت متحدہ پر علامہ اقبال نے جو تنقید کی تھی اسے ڈاکٹر صاحب نہایت سخت اور تند و تیز تنقید لکھا ہے (صہ۱۹) اور یہ بھی لکھا ہے کہ مولانا نے یہ حکایت کی تھی، اس نظریہ کی وکالت نہیں کی تھی، یہ تجویز بھی پیش کی ہے کہ علامہ اقبال کے اشعار کے ساتھ

ایک وضاحتی حاشیہ بھی شائع کیا جانا چاہیئے۔ مگر مولانا مرحوم نے علامہ کے وصال کے فوراً بعد متحدہ قومیت کے نام جو تحریر شائع کی، نیز مولانا کے مجموعہ حکایت اور خود نوشت "نقش حیات" کے مطالعے کے بعد یہ تسلیم کرلینا پڑتا ہے کہ مولانا متحدہ قومیت کے قائل تھے۔

۳۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک مقام پر پاکستان قومی اتحاد کے ذکر میں اس دور کی ایک اصطلاح نظامِ مصطفیٰ کا بھی ذکر کیا ہے، ڈاکٹر صاحب اس مقام سے یہ ترکیب استعمال کئے بغیر گزر سکتے تھے اور یہ استعمال کی ہی تھی تو حاشیے میں ہی اس پر نکیر کرنی چاہیئے تھی، نظام اسلام کے لیے تاریخ میں پہلی بار نظامِ مصطفیٰ کی اصطلاح وضع کی گئی ہے اور اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔

۴۔ "قیام پاکستان کے موقع پر قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جو خلاف توقع بیان دیا تھا کہ"

> "عن قریب پاکستان میں مسلمان، مسلمان رہیں گے نہ ہندو، ہندو، مذہبی اعتبار سے نہیں بلکہ اس لیے کہ مذہب تو اشخاص کا انفرادی معاملہ ہے بلکہ سیاسی مفہوم کے لحاظ سے۔"

قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی جو تاویل ڈاکٹر صاحب نے کی ہے اس کی نسبت ڈاکٹر صاحب کی طرف کرنے میں مجھے تامل و توقف ہے، ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ قیام پاکستان کے بعد مسلمان یہاں اکثریت میں ہوں گے اور وہ نظامِ اسلام نافذ کرنا چاہیں گے تو۔

> "خالص سیکولر جمہوری نظام بھی ان کے راستے میں ہرگز رکاوٹ نہیں بن سکتا لہٰذا فوری طور پر دستوری و قانونی سطح پر مذہبیت کا راگ الاپنے اور پوری دنیا کو خبردار اور چوکنا کر دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک جمہوری نظام میں قانون سازی کا سارا دارو مدار کثرت رائے پر ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر بالفرض پاکستان میں جمہوری نظام قائم ہو جائے تو مسلمانوں کی عظیم اکثریت کو دین و مذہب کی جانب پیش قدمی سے کوئی چیز روک نہیں سکتی۔" صفحہ

میں قائدِ اعظم کے اس قول اور ڈاکٹر صاحب کی اس تاویل دونوں پر اپنی حیرت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس قسم کی عقیدت مندانہ تاویلات کے بجائے ہم کسی دن ہمت کر کے یہ فیصلہ کیوں نہ کریں کہ اپنے اکابر و اعاظم کی غلط باتوں کو غلط ہی مانیں اور جانیں گے۔

ڈاکٹر عبدالخالق

کتاب "استحکامِ پاکستان" پر چند خیالات

(یہ مقالہ سالانہ محاضراتِ قرآنی منعقدہ مارچ ۸۶ کے اجلاس میں پڑھا گیا تھا)

میرا ارادہ تھا کہ کتاب چھپ جائے تو اسے دل جمعی سے پڑھوں، سمجھوں اور پھر اس پر رائے زنی کروں لیکن برادرِ مکرم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے تبصرے کا حکم دے دیا بڑی ہی مصروف مسافرت کی حالت میں کتاب کا مسودہ مجھے ملا۔ میں نے اس کا ایک ایک فقرہ پڑھا اشارات لکھے مضامین ترتیب دیئے اور اپنے زعم میں مطمئن ہو کر نماز جمعہ کے لئے چلا گیا۔ وہاں ڈاکٹر صاحب کی تقریر سنی تو خیال آیا بیشتر اقتباسات کی اب ضرورت نہیں۔ پھر جب مقررین کے ناموں کا اعلان کیا گیا تو پانچویں سوار کو اپنی بے بضاعتی کا شدت سے احساس ہوا ایاز قدر خویش بشناس۔ اس احساس نے مقالے کی کانٹ چھانٹ کو لازم کر دیا۔ وقت دیکھا تو معلوم ہوا نئے سرے سے قلم برداشتہ لکھنا بہتر ہے۔ منطقیانہ تجزیے کے لئے مولانا عبدالقدوس ہاشمی اور مولانا محمد متین ہاشمی کافی ہیں۔ میں نے منطق نہیں پڑھی۔ اور میڈیکل کالج میں صغریٰ کبریٰ جوڑنے کی جو مشق کرائی جاتی ہے وہ کچھ کام دیتی تو میں اور ڈاکٹر صاحب ایک ہی درسگاہ کے طالب علم ہیں اساتذہ بھی ایک تھے اور اسباق بھی ایک۔

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق
اُو بصحرا رفت و ما در کوچہ ہا رُسوا شدیم

ہمارا عشق مجازی ہی رہا۔ ڈاکٹر صاحب کی اک جست نے انہیں عشق حقیقی تک پہنچا دیا۔ جست لگانا ان کے مزاج کا حصہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب ان معنوں میں انتہا پسند

ضرور ہیں کہ اپنے معاملے میں اعلیٰ سطح سے کم کے لئے کوشاں ہی نہیں ہوتے میڈیسن ہی کے ہو رہنے تو بھی چوٹی سے نیچے دم نہ لیتے ۔ ؎

نیست در خشک و ترِ بیشۂ من کوتاہی
چوب ہر نخل کہ منبر نشود دار کنم

ان کے دوست انہیں راہِ حق میں اپنی جان گھلاتے اور کھپاتے دیکھتے ہیں تو کڑھتے ہیں لیکن دُعا کے علاوہ کچھ کر نہیں پاتے ۔ منت سماجت کی، سمجھایا، دلائل دیئے ان کے جسم کا حق یاد دلایا لیکن مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دوا کی پہلے موم بتی کا دوسرا سرا سلگا یا پھر درمیان میں بھی آگ لگالی اب تو تن ہمہ سوختہ شد کے قریب پہنچنے کی کوشش میں ہیں ۔ ان کے کان صرف ایک ہی آواز کو سنتے ہیں ۔ جاھدوا فی اللہ حق جھادہ ۔ اور جب حق کی بات آتی ہے تو حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا کا عُذر موجود ہے ۔ ہزار کہئے ابھی معیارِ جنوں ناپختہ ہے، تنظیمِ مے خانہ کے لئے بے پناہ توانائیاں درکار ہیں ۔ ابھی نامعتبر ہے بڑے مستوں کا چلن ساقی مان کر نہیں دیتے ۔

ہم نے بھی اللہ میاں کی عدالت میں استغاثہ دائر کر دیا ہے ۔ کہتے ہیں فوجداری میں پہل مفید ہوتی ہے ۔ تاکہ کل جب ہم ان کے مجرم بن کر پکڑے جائیں اور یہ فریاد کریں کہ اے مالک ۔ یہ ہیں میری دوستی کا دم بھرنے والے ۔ میری تقریروں پر سر دھنتے تھے ۔ میری تعریفیں کرتے تھکتے نہیں تھے پر جب میں نے ان سے کہا ؎

مزا تو جب تھا کہ ساحل پہ بیٹھنے والے
بھنور میں گھر کے بھی تھوڑی سی ہاؤ ہُو کرتے

تو جواب ملا ہم نے تو متاعِ غرور کا سودا کیا ہے ۔ اذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون ۔ تو ہمارے لئے بھی انکا دامن پکڑنے کی گنجائش رہے لیکن مجھے خدشہ ہے اُس دن بھی وہ یہ کہہ کر چھوٹ جائیں گے ۔ دامن از کجا آرم کہ من دامن ندارم ۔ صحتِ تن کی خبر خود لیتے رہتے ہیں صحتِ داماں کی "خبر گیری" دوسروں کے ذمہ ہے ۔

میرے ایک ایڈووکیٹ دوست نے کہا ڈاکٹر صاحب سے عرض کرو وہ بار بار سوتے ہوئے کتے کی دُم پر پاؤں کیوں رکھ دیتے ہیں ۔ کبھی کرکٹ پر ہنگامہ

کھڑا کر لیا، کبھی پردے پر کبھی مزارعت پر، کبھی بیعتِ جہاد پر۔ ان کے الہدیٰ کے لئے ملحد، خدا پرست، عالم، بے علم شیعہ، سُنّی اہلِ حدیث، مستورات، مکشوفات سارے ہی چشم براہ رہے تھے وہ عصرِ حاضر کے اعلیٰ ذہنی معیار سے اسلام کی آفاقیت کی گواہی دلوا رہے تھے ان کی آواز دلوں میں اترتی اور دماغوں کو مسخر کرتی تھی۔ آخر مصلحت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔

میں نے بھی ان سے ایک دفعہ مصلحت کا تذکرہ کیا تھا ڈاکٹر صاحب مجلسِ شوریٰ چھوڑنا چاہتے تھے خوب سوچ بچار کیا دوستوں سے رائے لی فیصلے کے دن ہم دونوں ان کے دفتر میں بیٹھے تھے میں نے حمزہ صاحب کا مشورہ پیش کیا ایک دو اور ساتھیوں کا پیغام پہنچایا کہ ہر سیشن میں حاضری ضروری نہیں کبھی کبھار ایک آدھ دن کے لئے آجایا کیجئے رائے دیجئے اور چلے جایئے۔ ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا کہ کرکے گارڈ (KIERKEGAARD) نے انسانوں کی دو قسمیں گنوائی ہیں ایک جمالیاتی (AESTHETIC) دوسرے اخلاقی جمالیاتی آدمی بعض اوقات ضمیر کو دبا کر بھی اچھے مقصد کے حصول کے لئے کوئی غلط کام کر گذرتا ہے اُسکی شخصیت باقی رہتی ہے لیکن اخلاقی (MORAL) آدمی اگر ضمیر کے فیصلے کے خلاف کوئی قدم اٹھائے تو اس کی شخصیت بالکل ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے۔ میں نے بلا تامل کہا "آپ فوراً مستعفی ہو جایئے" ؎

عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی!

کتاب سے پہلے صاحبِ کتاب کا تذکرہ ذرا طوالانی ہو گیا لیکن اس کتاب کو مصنف کی شخصیت سے الگ کرکے دیکھنا ممکن نہیں۔ جو اصحاب انہیں حکمتِ عملی کی منطق سے قائل کرنا چاہیں وہ ذرا سوچ لیں۔

مجھے ڈاکٹر صاحب سے اتفاق بھی ہے اور کچھ اختلاف بھی۔ وہ فرماتے ہیں:

> "حالات و واقعات کے اس "صغریٰ" کو قوموں کے عروج و زوال کے ضمن میں قدرت کے اٹل اُصولوں اور اسباب و علل اور عواقب و نتائج کے باہمی لزوم کے کبریٰ کے ساتھ جوڑ کر قیاس کیا جائے تو حاصل مایوسی اور نا اُمید کے کچھ نہیں بنتا اور حساب کتاب کے کسی

بھی قاعدے سے اُمید کی کرن نظر نہیں آتی"۔

اور یہ کہ

ہمارے تجزیہ کے مطابق ایک جانب پاکستان ایک ایسا ملک ہے جس کی واحد اساس اسلام ہے اور اس کے بقاؑ و استحکام کا واحد ذریعہ ایک ایسا زوردار اور متحرک مذہبی جذبہ بن سکتا ہے جس کی جڑیں عوامی سطح پر اسلام کے ساتھ واقعی اور عملی تعلق میں گہری اتری ہوئی ہوں اور دوسری جانب بحیثیت مجموعی پاکستان کے موجودہ مسلم معاشرے کا دین و مذہب کے ساتھ حقیقی و عملی تعلق نہ ہونے کے برابر ہے! - تو میرے دل سے آواز نکلتی ہے "تری آواز مکے اور مدینے"

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریفِ سنگ

کتنی معروضی حقیقت (OBJECTIVE REALITY) ہے۔ ع

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

مگر اس کے فوراً بعد جب وہ قومی و ملی وجود کی تصویر کا دوسرا رُخ یہ کہہ کر دکھاتے ہیں کہ

"ہمارے قومی و ملی وجود کی تصویر کا روشن اور تابناک رُخ بالکلیہ ارادہ و مشیتِ ایزدی اور تائید و نصرتِ الٰہی کا مظہر ہے جس کے نتیجے میں پاکستان کا عالمِ وجود میں ظہور بھی ایک خالص معجزہ کی حیثیت سے ہوا تھا اور اُس کا اب تک قائم رہنا بھی معجزات ہی کے تسلسل کا مرہونِ منت ہے"۔

تو تھوڑے بہت ایمان کے ساتھ بھی یہ دعویٰ سراسر موضوعی یا (SUBJECTIVE) نظر آتا ہے۔

میرے لئے اپنے بھائی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب پر سرِعام تنقید کا پہلا تجربہ ہے لیکن چونکہ اس کا محرک سراسر خیر خواہی کا جذبہ ہے اس لئے مجھے اظہارِ خیال میں تذبذب نہیں ہوتا - میں ان سے عرض پرداز ہوں -

ممکن ہے کہ تو جس کو سمجھتا ہے بہاراں
اوروں کی نگاہوں میں وہ موسم ہو خزاں کا

بے یقینی، بے مقصدی اور انتشار و خلفشار کے صحرا سے عقابی روح، بے داغ شباب اور ضربِ کاری والی نسلیں نہیں اُبھریں۔

ان ھولاءِ یحبون العاجلۃ ویذرون وراءھم یوماً ثقیلاً

والی اُمّت نمودار ہوتی ہے۔ کل کی فکر سے بے نیاز، آنے کی تن آسانی، عیاشی اور اوباشی کے گرویدہ الا ماشاءَ اللہ۔ ہم صحرانوردوں کے حوالے نہیں کئے گئے بلکہ اللہ کے رسُول کے بقول مال و دولت کے فتنے میں ڈالے گئے ہیں اور اس آزمائش میں ہم نے کفرانِ نعمت کیا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں بدترین عذاب کی زد میں ہیں۔ ہماری بصارت ہے بصیرت غائب۔ دل اندھے ہو گئے۔ سماعت ہے لیکن دل کے کان نہیں جو زمانے کی اس پکار کو سنے۔ ع

میری سنو جو گوش نصیحت نیوش ہے

ہم نے عذاب کے پہلے کوڑے کو بھی کبڑے کی پشت پر لات سمجھ لیا ہے۔ ملک میں کتنے ہیں جو پاکستان مشرقی میں اپنی ذلت آمیز شکست پر خون کے آنسو رو رہے ہیں اکثریت کا رویہ بے نیازی کا ہے چلو اچھا ہوا جان چھوٹی بوجھ اُترا۔

میرے بھائی مجھے تو اپنی ملّت کے ملّت کے معاملے میں سنتِ الٰہی کی حکمتِ انقلاب کا آغاز دکھائی دیتا ہے۔ ع

ترسم آں روزے کہ محرومش کنند

آپ کہہ سکتے ہیں۔

فرق است میانِ شنیدنِ من و تو
تو بستن باب و من فتح باب می شنوم

خدا کرے میری نگاہیں دھوکا کھا رہی ہوں۔

میں اسلامی انقلاب کو دل و دماغ کی گہرائیوں سے اپنے تمام مسائل کا حل سمجھتا ہوں اپنے ہی نہیں بنی نوعِ انسان کے مسائل کا۔ لیکن اس کے مادّی ظہور کے لئے جس ذہنی انقلاب کی ضرورت ہے وہ بھی ابھی غیر موثر ہے۔ اس کے طالب بے شمار لیکن جویا خال خال۔ کروڑوں کی آبادی میں وہ کسی شمار و قطار میں نہیں۔ آرزو پیدا ہوتی لیکن ابھی تک خام ہے۔ ابھی کیفیت

یہ ہے ۔ ؎

کوئی دیکھے تو یہ راہِ طلب میں آرزو میری
کہ میں بیٹھا رہوں منزل کرے خود جستجو میری

رہ گئے عوام تو وہ عملاً ابھی تک کالانعام ہیں ۔ لادو بیل کی طرح ۔ نوکرشاہی جاگیردار، سرمایہ دار، زمیندار، صنعتکار اور ملک کے چوکیدار باری باری بھی اکٹھے بھی ان پر سواری کرتے ہیں ۔ وہ سرنہوڑائے چلتے رہتے ہیں کبھی کبھار کوئی ان کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیتا ہے ۔ ان کی حالت زار پر آنسو بہاتا ہے، فریاد کرتا ہے تو یہ اپنی پشت اُس کی سواری کے لئے پیش کر دیتے ہیں ۔ وہ دگنا بوجھ لادتا ہے ۔ ڈنڈے برساتا ہے کچوکے دیتا ہے لیکن وہ اُس کے ٹسوے دیکھتے ہیں اُس کے وعدوں پر فریفتہ رہتے ہیں ۔ وہ تیر کھا کر بھی اُسے شکاری ماننے سے انکار کر دیتے ہیں ۔ سوشلزم کے نقیب آئے تو میں صدقے میں واری ہم تمہارے ہیں ۔ گھر تمہارا ہے اسلامی نظام کا نعرہ سنا تو پکار اٹھے اور جو باقی ہے وہ نام خدا لے جائیے ؎

ہم سے سادہ لوح لوگوں پہ ذوقِ اسیری ختم ہوا
ہم نہ رہے تو کس کی خاطر جال سنہرے بُنیے گا

دیار جنیں سشہر یارے چنیں

جو عوام کے سروں پر مسلط ہو گیا وہ انہیں باشعور ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیتا ہے جب گر گیا تو انکی سادگی اور بے شعوری کا رونا روتا ہے ۔

عوام کو حقیقی آزادی ملے تو انہیں اس نعمت کا احساس ہو ۔ جب غلامی ہی مقدر ہے تو اپنوں کی کیا اور بیگانوں کی کیا، بلکہ انگریزوں کی غلامی ایک نعمت معلوم ہوتی ہے ۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ۔

آزادی کا مفہوم ان لوگوں کے لئے ہے جو اس سے بہرہ مند ہیں ۔ جس ملک میں ظالم کو لوٹنے اور مظلوم کو لُٹنے کی آزادی ہو ۔ جہاں اقتدار نے ہمیشہ استحصالی طبقوں کی پشت پناہی کی ہو وہاں آزادی کے واسطے سے تحریک اٹھانا کارے دارد!

وفا کیسی کہاں کا عشق جو سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو

اسلام ایک نجات دہندہ قوت ہے۔ ہر ظلم وستم سے نجات، ہر استحصال سے گلو خلاصی۔ حقیقی انسانی مساوات، طبی، تعلیمی، رہائشی اور روزگار کی سہولتیں سب کے لئے یکساں، قانون میں عدل، معاشرت میں احسان۔ ایسا اسلام کتابوں میں موجود ہے کسی زمین پر نظر نہیں آتا۔

ادھر انسانوں کی مادی ضروریات سرمایہ داری اور سوشلزم دونوں نے پوری کرکے دکھائی ہیں۔ آفتاب آمد دلیلِ آفتاب۔ لوگوں کا ان کی طرف متوجہ ہونا فطری بات ہے۔

ایسے حالات میں اسلام کو محض نعرے کے طور پر استعمال کرنا خدا اور رسولؐ اور اسکے بندوں سے کھلے فریب کے مترادف ہے۔ ڈاکٹر صاحب اپنے اسلامی انقلاب کی بنیاد اسوۂ رسول پر رکھتے ہیں۔ اور اس کے ثمرات کو سیاسی، سماجی اور قانونی ہر شعبے میں فراواں رکھنے کی ضمانت دیتے ہیں۔ اس کا اندازہ ان کے آئندہ مضامین سے ہو جائے گا۔

میرا خیال یہ ہے کہ اسلامی انقلاب فرد سے شروع ہوتا ہے ایسے فرد سے جس کا اللہ کی ذات پر اٹل ایمان ہو جس کی زندگی قول وفعل دونوں میں سنت رسول کے تابع نظر آئے اور جو زندگی اس طرح گذارے کہ ایک ایک لمحے اور ایک ایک شئے کا حساب دینا ہے۔ جس کے لئے آخرت دنیا سے زیادہ حقیقی ہو۔ آخرت کا یقین پیدا کرنے کے لئے مکی سورتوں کو حرزِ جاں بنانا ضروری ہے۔ صاحب کردار داعی الی الحق کو اس طرف توجہ دینا چاہیئے۔

اسلامی انقلاب ایک صبر آزما کام ہے۔ سالہا سال کی تربیت اور آزمائش سے ایک جماعت تیار ہوتی ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اس جماعت کی تیاری میں اپنی زندگیاں کھپا دیں۔

آخر میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ وطنِ عزیز کے حالات ایک بار فوری طور پر تحریک پاکستان جیسی عظیم الشان عوامی یعنی جس میں کام کے مسلمانوں کے علاوہ نام کے مسلمان بھی شامل جدوجہد کا تقاضا کرتے ہیں۔ پاکستان باقی ہے تو ہم بھی آزاد ہیں اپنی زمین پر جو تجربہ چاہیں کریں جس نظریات کو چاہیں اپنا لیں۔ یہ

صحیح ہے کہ منظم اور موثر تحریک ایک قابلِ اعتماد شخصیت کی قیادت ہی اٹھا سکتی ہے اور اپنی حالت کس مپرسی کی ہے؎

زکارِ ناتمامِ راچہ پرسی
نمی دانی کہ ملت بے امام است

تاہم کیا عجب ہے کہ بہت سے چھوٹے کارکنوں کی مخلصانہ جدوجہد بارگاہِ الٰہی میں ہماری سفارش بن جائے اور ہمیں مطلوبہ فائدہ بھی مل جائے اور ہمارے یقین وثبات سے اندرونی اور بیرونی دونوں دشمنوں کی آنکھیں کھل جائیں۔

میرا بیان بھی موضوعی (SUBJECTIVE) آرزو پر ختم ہوتا ہے لیکن اور جائے امان ہے کہاں۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم خانہ خراب کو ترے عفوِ بندہ نواز میں

خانہ بربادی سے بچاؤ کی صورت یہی تو ہے کہ اپنی کمزوری، ناتوانی کو شکستہ دلی کے ساتھ اُس کے دربار میں لے جائیں۔ اجتماعی توبہ کی اُمید اور دُعا کے ساتھ اُس کے حضور گڑگڑائیں۔

اے اللہ ہمیں والذین جاھدو فینا کا مصداق بنا۔ یا رب العالمین ہمیں لنھدینھم سبلنا کی نعمت سے سرفراز فرما۔ آمین۔

بقیہ استحکامِ پاکستان

اسی صراطِ مستقیم پر گامزن، فتح مند اور سرخرو ہوتے دیکھیں یہ آرزو دینی فریضہ بھی ہے اور ملک وملت کے عزائم سے وفاداری بھی۔ اور یہ ہم سب کا اخلاقی فرض بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس بھاری ذمہ داری سے کما حقہ عہدہ برآ ہو کر سبکدوش ہوں۔ آمین یارب العالمین۔

مولانا خلیق احمد
سابق ایڈیٹر "الیقین انٹرنیشنل" کراچی

"استحکامِ پاکستان": ایک ہمہ گیر مُرقّع

نحمدہٗ ونصلی علٰے رسولہِ الکریم - امّا بعد قال اللہ تعالٰی فی سورۃ الصّٰفّٰت (آیت: ۶۱) اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم "لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ" صدق اللہ العظیم ہ

ترجمہ:- "ایسی ہی کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیئے۔"

جناب صدر! محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب، معزز حاضرین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالٰی وبرکاتہ'

میرے لیے یہ بات باعث صد عزت ومسرت ہے کہ میں شریکِ مجلس ہوں مگر ضعفِ بصارت اور ضعفِ قلب کے سبب میرے لیے یہ ممکن نہیں کہ میں اپنی معروضات آپ کی خدمت میں براہِ راست پیش کر سکوں۔ لہٰذا عزیزم منیر اختر صاحب میری نیابت کریں گے۔

موضوع کی وسعت اور وقت کی قلت کے مدِنظر کسی خاص تمہید کے بغیر نفسِ مضمون کے متعلق اپنی گزارشات پیش کرنا چاہتا ہوں۔

بفضلہ تعالٰی امتِ مسلمہ کی صلاح وفلاح اور بے راہ روی کے خلاف بروقت انتباہ کے لیے نظامِ رشد وہدایت قرونِ اولٰی سے جاری وساری ہے چنانچہ ہر زمانے میں چند نفوسِ قدسی اسی اہم فریضے کی ادائیگی کے لیے سرگرمِ عمل رہے ہیں زہے نصیب کہ موجودہ زمانے میں بھی باوجود قحط الرجال کے ایسے حضرات موجود ہیں اور نہایت تندہی، اخلاص وایثار کے ساتھ امتِ مسلمہ کی فلاح وبہبود کے لیے ہمہ تن مصروفِ عمل ہیں۔ مگر ان حضرات کو فی الوقت ایک عجیب مسئلہ درپیش ہے یعنی بعض افراد قوم کو قوم دشمنی سے اور چند ابنائے وطن کو بقولِ شخصے " ملک کے حصے بخرے کرنے سے باز رکھنا اور پھر سے راہِ راست پر لانا چونکہ یہ حضرات توڑ پھوڑ اور تخریبی کارروائیوں کی پشت پناہی کا زعم رکھتے ہیں۔ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ واقعی بغض اُن کے منہ سے ظاہر ہو جاتا ہے اور جس قدر ان کے دلوں

میں ہے وہ تو بہت کچھ ہے ۔ (آل عمران : ۱۱۸)

اے کاش ! ہمارا معاشرہ اگر اسلامی اسوہ کے مطابق صحت مند ہوتا تو ایسے منفی رجحانات نہ کبھی سر اٹھا سکتے اور نہ ہی ان کے پروان چڑھنے کا کوئی امکان ہوتا۔ ایسے ناپسندیدہ رجحانات کو ناپختہ اذہان کی پیداوار اور طفلانہ حرکت اور خام خیالی سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا تو ملک و ملت کے خلاف ہر تحریک اپنی موت خود مر جاتی ۔ مگر صد حیف ایسا نہیں ہوا اور نوبت ایں جا رسد کہ حقائق سے انحراف ، مسلّمہ ملکی اور ملی مقاصد سے اعراض اور قومی تشخص سے بھی انکار اور عار کا علی الا علان پرچار کیا جا رہا ہے ۔ افسوس صد افسوس !

چنانچہ آج کل مخلص اور محب ملک و ملت حضرات انہیں مسائل سے دوچار ہیں بالفاظ دیگر ملک کی سالمیت اور ملت کے شیرازے کی حفاظت و حصار یا مختصراً استحکام پاکستان کے لیے رائے عامہ کو ہموار اور استوار کرنے کے لیے شب و روز پورے انہماک کے ساتھ مصروف ہیں ۔

اِن مردانِ حق میں خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہستی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ہے آپ نے اپنی زندگی اصلاحِ نظر و فکر اور خالص اسلامی ذہن کے نشوونما کے مبارک و مثبت فریضے کی انجام دہی کے لیے وقف کر رکھی ہے ڈاکٹر صاحب ایک صاحب بصیرت محب ملک و ملت اور علامہ اقبال کے الفاظ میں " دیدہ ور " کی حیثیت سے قومی سطح پر ابھرے ہیں ۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے فنِ کلام میں ایک جُداگانہ اور پسندیدہ طریقہ اختیار کیا ہے ۔ یعنی متوازن و معتدل ، واضح اور روشن ، تعصب سے بالکل پاک جو نہایت مؤثر ثابت ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ ملک بھر میں محبوب و مقبول مقرر اور ممتاز مفکر کی حیثیت سے ہر دلعزیز ہوتے جا رہے ہیں اللّٰھو کثر امثالہ اسی طرح ڈاکٹر صاحب کا طرزِ نگارش بھی جداگانہ اوصاف کا حامل ہے ۔ یعنی حقیقت پسندی ، صاف گوئی ، سلامت روی اور افراط و تفریط سے مبرّا ۔ بقول شخصے ڈاکٹر صاحب کے ہاں سودا کھرا اور ہر سوال کا جواب سکہ بند ہے ۔ ان کے ہاں نہ کوئی ذو معانی کلام ہے نہ تحریر میں کوئی لاگ لپیٹ ۔

ڈاکٹر صاحب نے حال ہی میں ایک ہمہ گیر مرقعہ " استحکام پاکستان " کے عنوان سے

ابنائے وطن اور برادرانِ قوم کی آگاہی اور عملی پذیرائی کے لئے نہایت دلسوزی، کوشش و کاوش سے مرتب کیا ہے یہ سلسلہ مضامین اردو روزنامہ جنگ کراچی کی ۱۴ (آخری قسط جمعہ ۲۸ فروری ۱۹۸۶ء) اور اردو ماہنامہ میثاق ماڈل ٹاؤن لاہور کی ۴ قسطوں (جنوری تا اپریل ۱۹۸۶ء) میں شائع ہو چکا ہے میرے نزدیک یہ سیر حاصل مقالہ اس نازک اور اہم مسئلے پر اپنی جامعیت کی بدولت قرطاسِ ابیض کا مقام رکھتا ہے اور اس سرزمین پاکستان میں اعلیٰ فہم و فراست کی زرخیزگی اور بالیدگی کا بیّن ثبوت ہے اور یہ بھی کہ نامور و مخلص حضرات نے بے لوث و بے لاگ، متین و سنجیدہ جائزے، تبصرے اور تذکرے کو اپنا شعار بنایا ہے۔ قوم کو بھی خود ساختہ، بے سروپا لیڈرز کی تقریر و تحریر میں ایسے ہی بلند معیار کا تقاضا کرنا چاہیئے کیونکہ ان کے بیانات بھی ان کی اپنی طرح بے سروپا ہوتے ہیں۔ اور ان کو بھانت بھانت کی بولیاں بولنے، آوازے کسنے اور دلخراش نعرے لگانے سے مضبوطی سے منع کرنا چاہیئے اور خود بھی ایسی ہی اعلیٰ اقدار کو اختیار کرنا چاہیئے۔

ڈاکٹر صاحب کا یہ گراں قدر سلسلۂ مضامین "استحکام پاکستان" (جو میری دلی تمنا کے مطابق ایک دیدہ زیب کتاب کی صورت میں شائع ہوکر ہر خاص و عام کے استفادے کے لیے دستیاب ہے۔) بیک وقت شش جہت اور ہشت پہلو زاویہ نگاہ سے قرآنی شواہد اور موجودہ صدی ڈیڑھ صدی کے حالات و واقعات اور اس کے "بڑے" لوگوں کے اقوال و افعال سے مستحکم و مرصع ہے اسی لیے پڑھنے والے کے چودہ طبق روشن ہوجاتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے موضوع پر تاریخی، جغرافیائی، بین الملّی، معاشی سیاسی، ثقافتی، طبقاتی، لسانی اور خالص اسلامی زاویۂ نگاہ سے مسئلہ پاکستان کی خشتِ اوّل سے موجودہ حالات تک کا تجزیہ پیش کیا ہے۔ یہ ایک عالمانہ تبصرہ بھی ہے اور محققانہ تذکرہ بھی، اس کے ایک ایک لفظ سے خلوص اور ملک و ملت سے تعلق ٹپکتا ہے اور پڑھنے والے کی آنکھوں سے آنسو! پاکستانی معاشرے کے چار طبقاتی ذہن کو جس ماہرانہ کمال سے جانچا اور پرکھا ہے اندرونی اور ناگفتنی کیفیات اور حقائق کی وضاحت سے عکاسی کی ہے گویا کہ معاشرے کے ہر فرد بشر کے ہاتھ میں ایک آئینہ دے دیا ہے۔ جس میں وہ اپنی سیرت کے خدوخال بخوبی دیکھ سکتا ہے۔ یہ آئینہ شیشے کا نہیں کہ:-

"سامانِ خود بینی"، ہو بلکہ ذریعہ حق بینی و حق شناسی ہے جو ہمیشہ تابناک اور صاف و شفاف رہے گا۔ اس آئینے میں اپنی شکل و صورت پہچاننے کے بعد ہر ذی شعور اور ذی حس پاکستانی اس بات پر آمادہ ہی نہیں بلکہ مجبور ہوگا کہ وہ کوئی نہ کوئی فیصلہ اپنی زندگی کے لائحہ عمل کے لیے کر ڈالے۔ یہ عاجز بھی ضمیر کے اسی تقاضے پر قلم اٹھانے پر مجبور ہوا ہے اگر خدانخواستہ قوم خوابِ غفلت میں محو و مدہوش رہتی ہے تو وہ پیش آنے والے مہیب اور ہولناک نتائج کا خمیازہ بھگتنے کے لیے بھی تیار رہے۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ تصنیفِ لطیف مدتہائے مدید اور عرصۂ دراز تک زندہ جاوید اور تازہ و تابندہ رہے گی جو آنے والی نسلوں کے لیے بھی بجا طور پر قابلِ فخر ثابت ہوگی اسی لیے میں یہ کہنے پر اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتا ہوں کہ یہ ۷۶ اصفحات پر مشتمل رشحاتِ قلم ایک عظیم الشان (CLASSICAL) کارنامہ ہے اس کے پڑھنے والوں کے لیے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگی کہ ڈاکٹر صاحب نے افرادِ قوم میں خود پسندی و خود فریبی کے طلسم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چاک کر دیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے "نوشتۂ بر دیوار" (WRITING ON THE WALL) اپنی دوربین اور بصیرت افروز آنکھوں سے پڑھ لیا ہے اور اسی سے متاثر ہوکر مخلصانہ احساسات و جذبات قلم بند کیے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سچی اور پکی بات کہنے اور لکھنے کے عادی ہیں انہوں نے جو کچھ استحکامِ پاکستان کے عنوان سے لکھا ہے. وہ قرآنی اور تاریخی دلائل کی روشنی میں لکھا ہے۔ وہ سبق آموز بھی ہے اور دلولہ انگیز بھی۔ اس لحاظ سے ڈاکٹر صاحب لسان الغیب کی حیثیت سے قوم سے مخاطب ہیں اور میری دعا ہے کہ وہ امت مرحومہ کے لیئے خضرِ راہ بھی ثابت ہوں۔ آمین۔

ڈاکٹر صاحب نے جملہ نشیب و فراز کی نشاندھی نہایت وضاحت اور قوت کے ساتھ کی ہے۔ آپ کا اسلوب بیان، طرزِ دلائل اور موازنۂ قدیم و جدید اس قدر مربوط و مضبوط ہے کہ اُن کی ہر بات دل کو لگتی ہے اور دل میں اترتی جاتی ہے۔ اور اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ اس کو کلیتہً تسلیم کر لیا جائے اور عمل کے لیئے مجوزہ طریقہ کار کو اپنایا جائے۔

چونکہ بحمدللہ استحکامِ پاکستان کے متعلق مضامین ایک کتاب کی شکل میں فراہم

ہمیں حق تو یہ ہے کہ ہر طبقہ اعلیٰ سے اعلیٰ اور ادنیٰ سے ادنیٰ جو اپنے ملک وملت کا ہمدرد وبہی خواہ ہے اور وہ حضرات بھی جو فی الحال اس زمرے میں شامل نہیں اس کا بغور مطالعہ کریں بلکہ بار بار لفظ بلفظ پڑھا کریں تاکہ وہ جذبۂ محبت ولگن جس کے ماتحت یہ تصنیف ظہور میں آئی ہے پڑھنے والوں کے رگ وریشہ اور فکر ونظر میں سرایت کر جائے اور ان کا ذہن سراسر تعمیری اور اسلامی ہو جائے اور منفی سیاسی غیر مفید بحث ومباحثہ کی طرف سے یکسو ہو جائے یہ کوئی بڑا بھاری کام نہیں ہوگا بلکہ ایک فطری تقاضے کی تکمیل کے مترادف ہوگا کیونکہ ہر مسلمان کا ایمان قرآن مجید اور سیرت پاک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے کیونکہ ڈاکٹر صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ انہی مقدس ذخائر پر مبنی ہے ہم سب کو ان کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ ہماری اہم ترین ضرورت کو کس حسن وخوبی سے اور عین وقت پر پورا کیا ہے تاکہ حسرت وافسوس کا کوئی موقع ہی نہ آنے پائے بلکہ ہم سب فوراً عمل پیرا ہو کر اصلاح وبہبود کی کوشش میں لگ جائیں اور ملک کو صحیح معنوں میں اسلامی معاشرے کا گہوارہ اور دین اسلام کا مضبوط قلعہ بنا کر دنیا کے سامنے پیش کریں۔

ڈاکٹر صاحب کا یہ گراں بار عطیہ لائق صد ستائش ہے جو بقول شخصے "مفت میں حاصل ہو گیا ہے" اس مجوزہ مہم جوئی کے لیے ضروری ہوگا کہ کتاب زیر بحث کی کاپیاں ملک کے گوشے گوشے میں دستیاب ہوں اور اس کے متعلق تذکرہ وتبصرہ بھی جا بجا اور گاہ بگاہ ہوتا رہے۔

جواں نسل کا وہ طبقہ جس نے پاکستان میں آنکھیں کھولی ہیں اور پاکستان کی اساس محرکات اور عوامل سے بڑی حد تک ناواقف ونابلد ہے اس کے لیے یہ خزانۂ معلومات از غیب دستیاب ہو گیا ہے اس کے مطالعے کے بعد وہ اچھی طرح تمام متعلقہ افکار وحوادث جو شروع صدی سے قائد اعظمؒ کی قیادت کے وقت تک قابل ذکر ہیں۔ واقف ہو جائیں گے اور یہ حق آگاہی ان کے تعمیری ذہن کی نشوونما کے لیے نہایت مفید ثابت ہوگی اس سلسلے میں ایک اہم بات عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ تصنیف "استحکام پاکستان" کے مطالعے کے بعد ان عزیزانِ قوم کو قرآن مجید سے دلچسپی اور وابستگی کا ذوق وشوق پیدا ہوگا یہی اصلی سرچشمۂ حیات اور خزینۂ ہدایت عملی قوت کو بروئے کار لانے کے لیے قوی ترین ذریعہ ہے مطابق ارشاد ربانی :-

ترجمہ :۔ یہ قرآن بتلاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو جو عمل کرتے ہیں اچھے کہ ان کیلئے ہے ثواب بڑا۔ (بنی اسرائیل : ۹)

قرآن مجید سے جس قدر کمال کا تعلق ہوگا اسی قدر کمالِ ایمان ہوگا اور پھر اس کمالِ ایمان سے کمالِ عمل کی توفیق حاصل ہوگی اس کے نتیجے میں ان کا عزم و حوصلہ ہمیشہ کے لیے بلند ہوئے گا اور طبیعت مستعد و تیار رہے گی۔

استحکامِ پاکستان کی اہمیت مسلم ہے حق آگاہی کے طالب و متلاشی حضرات ڈاکٹر صاحب کی تصنیف سے ہر طرح کی روشنی حاصل کر سکتے ہیں یہ ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔ احسانِ عظیم ہے اور انعامِ ربانی ہے کہ موجودہ انتشار و خلفشار کے دور میں اس قسم کی ٹھوس اور مسلمہ حقیقتوں پر مبنی ایک دستاویز ہمارے ہاتھوں میں آئی ہے اگر خدانخواستہ اس سے قطع نظر کیا گیا یا پڑھ کر بھلا دیا گیا تو یہ ایک بہت بڑی ناقدری اور فرض ناشناسی ہوگی جس کے نتائج کے تصور سے بھی دل لرزتا ہے کیونکہ میرا ذہن سورۃ سبا کی آیات ۱۵ تا ۲۱ کی طرف منتقل ہوتا ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم و قریہ کا عبرت انگیز قصہ بیان فرمایا ہے جن کے مجموعی حالات میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں موجود ہیں یعنی رہنے کو عمدہ شہر اور رب کا دیا ہوا سب کچھ تھا یہ لوگ عیش و عشرت کی زندگی دو رُویہ باغوں کی بستی میں خدائے غفور و رحیم کے سایۂ رحمت میں بسر کر رہے ہیں۔ ان کی سرتابی، ناسپاسی اور نافرمانیوں کے سبب ان بستیوں کو قہر خداوندی نے اجاڑ دیا تھا اور سورۃ اعراف کی آیت نمبر ۱۰ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

"بے شک ہم نے تم کو زمین پر رہنے کو جگہ دی اور تمہارے لیے اس میں سامانِ زندگانی پیدا کیا۔ تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔"

اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ایسا معاملہ نہ فرمائے اور نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ کہ وہ دن آئے۔

استحکامِ پاکستان کا کام اور پروگرام اس قدر ہمہ گیر ہے کہ اس کے ساتھ دیگر ملکی معاملات کی طرف متوجہ ہونے کی کوئی گنجائش نہیں۔ خصوصاً وہ معاملات جن کو عرف عام میں سیاست کہا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے خود اس سے بے تعلقی کا صاف صاف اظہار فرمایا ہے اور اس عاجز کا دلی تقاضا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کبھی بھی اس کی طرف قدم نہ بڑھائیں۔ موجودہ

دور کی سیاست ایک خوفناک دلدل ہے اور وادیٔ پرخار بھی ۔ جس کا سراسر انحصار ڈپلومیسی پر ہے اور یہ بات سب پر واضح ہے کہ ڈپلومیسی اور دین کا کیا جوڑ! اسی ضمن میں یہ بھی عرض کرنا ہے کہ اپنے تجویز شدہ لائحہ عمل کے علاوہ کسی سوال یا بحث و مباحثہ کو درخورِ اعتناء نہ خیال فرمائیں۔ معذرت کے ساتھ مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ سیاست کی طرح صحافت بھی ذریعۂ ابلاغ سے زیادہ ذریعہ فساد ثابت ہو رہی ہے اور ملک میں قحط الرجال کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ سال بہ سال متعدد ہونہار ہستیاں اور جماعتیں سیاست و صحافت کی بھینٹ چڑھتی رہتی ہیں ۔ الامان الحفیظ ۔

میری دلی دعا ہے کہ جو سعادت نظام رشد و ہدایت کی قرونِ اولیٰ سے چلی آرہی ہے وہ رب کریم اپنے حبیب کریمؐ کے طفیل ہمارے لیے مقدر فرما دے ۔ اور پاکستان کے مستقبل کو مستحکم اور روشن فرمائے تاکہ اُن لاکھوں قربانیوں کی قبولیت کا ثبوت سب پر واضح ہو جائے ۔ ہم سب اللہ تعالیٰ کے روبرو ان کی لافانی قربانیوں کے حق کی ادائیگی کے لیے جوابدہ ہوں گے ۔ اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس مقدس فریضے کی ادائیگی ہمارے ہاتھوں پایۂ تکمیل تک پہنچے ۔ آمین ثم آمین ۔

ڈاکٹر صاحب نے خود بھی بڑے وثوق و یقین کے ساتھ پاکستان کے استحکام اور اس کی سربلندی اور خوشحالی سے متعلق یقین دہانی فرمائی ہے مگر اس مقصد کے حصول کے لیے جہدِ مسلسل اور عملِ پیہم کی کڑی شرط لگائی ہے ان کا نمونہ عمل ہمارے سامنے ہے ۔ خیر و برکت اسی میں ہے کہ ہم ہر ممکن طریقے سے یعنی دامے، قدمے، سخنے ڈاکٹر صاحب کا ساتھ دیں ۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تصنیف " استحکام پاکستان " میں پوری وضاحت کے ساتھ راہِ عمل کو معین کر دیا ہے ۔ اب ہمارا یہ فرض ہے کہ تصدیق اور عمل کے ذریعے انہیں بھرپور تعاون کا یقین دلائیں اور عملی ثبوت پیش کریں ۔

ابھی وہ حضرات موجود ہیں جن کی آنکھوں نے وہ جوش و خروش اور خلوص اور والہانہ عقیدت کے مظاہرے اور کارنامے دیکھے ہیں اور وہ فلک شگاف نعرے کہ پاکستان کا مطلب کیا ؟ لا إلٰہ إلا اللہ اپنے کانوں سے سنے ہیں ان کی یہ سب سے بڑی دعا اور سب سے محبوب آرزو ہے کہ وہ اپنی آنکھیں بند ہونے سے پہلے اپنے برادرانِ قوم کو

(باقی صفحہ ۵۸)

تواضع کے بہتر آداب
- آپ کا بہترین انتخاب
فریشویل
حلوہ جوزی
AHMED'S
Freshwel
RASGULLA
Freshwel
KARACHI
HALWA
Freshwel
ایکم (پرائیویٹ) لمیٹڈ

"استحکامِ پاکستان" پر
ریڈیو پاکستان کا تبصرہ

تحریر: اقبال احمد صدیقی

ڈاکٹر اسرار احمد پاکستان کی معروف دینی اور ممتاز علمی شخصیت ہیں۔ گذشتہ دس پندرہ برسوں کے دوران انہوں نے مختلف مقامات پر اپنے خطاباتِ جمعہ اور مختلف اداروں میں عام تقاریر کے دوران 'استحکامِ پاکستان' کے موضوع پر اظہار خیال کیا۔ بالخصوص گزشتہ برس ماہ اگست کے دوران پہلے لاہور میں تین گھنٹے کی ایک نشست اور پھر راولپنڈی میں اڑھائی اڑھائی گھنٹے کی دو نشستوں میں سیر حاصل گفتگو کی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ "پاکستان کی اصل اساس"، "استحکامِ پاکستان کی ٹھوس بنیاد" "پاکستان کا معجزانہ قیام" "قائدِ اعظم مرحوم کی غیر معمولی شخصیت" "اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور پاکستان" کے اہم عنوانات کے تحت اُن کے خیالات مربوط شکل میں بیک وقت سامنے آئے۔ ان خیالات کی وسیع تر پیمانہ پر اشاعت کی خاطر انہوں نے حرمین شریفین کا سفر اختیار کیا اور طائف کے پرسکون ماحول میں جو کچھ لکھا وہ زیرِ تبصرہ کتاب کے مقدمے اور پہلے تین ابواب پر چھا گیا۔ یہ مواد اور اس کے بعد کی تحریریں ملک کے ایک کثیر الاشاعت اخبار کی جمعہ کی اشاعت کا حصہ بنیں اور بیک وقت سارے ملک میں پھیل گئیں۔ قومی روزنامے کی چودہ اشاعتوں میں جو کچھ شائع ہوا وہ ماہنامہ "میثاق" کی چار اشاعتوں میں سمیٹ لیا گیا اور یہیں سے اس کتاب کی اشاعت کا خیال پیدا ہوا۔

دراصل ڈاکٹر اسرار احمد مردِ میدانِ خطابت ہیں۔ جس طرح خطیب کی حیثیت سے اُن کا کلام دِل کو لبھاتا ہے اسی طرح اُن کی تحریر کا اسلوب دلکش اور بیان کا انداز موثر اور دلنشیں ہے البتہ کہیں کہیں تحریر میں تقریر کا رنگ جھلکتا نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد جذبات کو معقولات میں راہ پانے نہیں دیتے۔ دعوے کے ساتھ دلیل پیش کرتے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ برصغیر کی تقسیم دراصل ایک معجزہ ہے

کم نہیں اور اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت کارفرما تھی کہ وہ پاکستان سے پوری دُنیا میں اپنے دین کے غلبہ کا کام لینا چاہتا ہے۔ اب اس دعوے کی دلیل خود اُنہیں کے الفاظ میں سن لیجیے۔ مسلم لیگ کی طرف سے کیبنٹ مشن پلان کی منظوری کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں۔ "ہندوستان کے ماضی قریب کی تاریخ کا طالب علم جانتا ہے کہ یہ قائدِ اعظم مرحوم کی سیاسی زندگی کا نازک ترین مرحلہ اور اُن کے تدبر و تحمل اور دور اندیشی و معاملہ فہمی کا سخت ترین امتحان تھا۔ اُنہیں ایک طرف صاف نظر آ رہا تھا کہ برطانوی حکومت مختلف داخلی و خارجی عوامل کے تحت ہندوستان سے بوریا بستر سمیٹنے پر تلی ہوئی ہے اور اگر اس مرحلے پر مسلم لیگ کی جانب سے ذرا بھی ضد اور ہٹ کا مظاہرہ ہوا تو لیبر پارٹی کی گورنمنٹ ہندوستان کی حکومت یک طرفہ طور پر کانگریس کے حوالے کر دے گی اور پھر ہندوؤں کے چنگل سے رہائی پانا شاید لاکھوں نہیں کروڑوں جانوں کی قربانی ہی سے ممکن ہو سکے۔ دوسری طرف یہ بات بھی واضح تھی کہ اِس منصوبہ کو تسلیم کرنے کے معنی یہ تھے کہ مسلم لیگ نے ہار مان لی اور کم از کم وقتی طور پر آزاد اور خود مختار پاکستان کے مطالبے سے دستبرداری اختیار کر لی ـــ

گویا قائدِ اعظم اور مسلم لیگ دونوں کو اُس وقت 'ایک جانب کنواں اور دوسری جانب کھائی' والی صورتِ حال سے سابقہ تھا۔ البتہ کیبنٹ مشن پلان میں دو باتیں ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے مصداق تھیں۔ ایک یہ کہ اس میں تین خطوں (ZONES) کی صورت میں پاکستان کے نقشے کی دھندلی سی تصویر موجود تھی۔ دوسرے یہ کہ دس سال کے بعد ہر خطے کے لئے مرکزی حکومت کے ساتھ اپنے تعلق پر نظر ثانی کرنے کی گنجائش ـــ اس طرح اُس وقت نہیں تو دس سال بعد آزاد پاکستان کے قیام کا امکان کم از کم نظری طور پر موجود تھا۔ اگرچہ یہ بات اظہر من الشمس تھی کہ ایک بار مرکزی حکومت کے قیام کے بعد اس کا بالفعل امکان بہت کم تھا۔ میرے نزدیک یہ قائدِ اعظم کے سیاسی تدبر (STATESMANSHIP) اور واقعیت پسندی (REALISM) کا شاہکار تھا کہ انہوں نے ۶ جون ۱۹۴۶ء کو کیبنٹ مشن پلان کو منظور کر لیا ـــ

اس موقع پر مشیتِ ایزدی اور قدرتِ خداوندی کا خصوصی ظہور اُس حدیثِ

نبویؐ کے مطابق کہ وہ تمام انسانوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے مابین ہیں وہ انہیں جدھر چاہے پھیر دیتا ہے" پنڈت نہرو کے اُن بیانات کی صورت میں ہوا جو اُنہوں نے فتح کے نشے میں بدمست ہوکر دیئے جن کے نتیجے میں کانگریس کی جانب سے پلان کی منظوری کی بالفعل نفی ہوگی" (ص ۱۱۸ - ۱۱۶)

چنانچہ آل انڈیا مسلم لیگ کو کیبنٹ مشن پلان کی منظوری کو واپس لینے کا جواز ہاتھ آگیا اور اس طرح ایک آزاد اور خود مختار پاکستان کے قیام کا مسئلہ جو اصولی طور پر کم سے کم دس سال کے لئے اور واقعتاً ہمیشہ کے لئے طاقِ نسیاں کی زینت بن گیا تھا از سر نو سامنے آگیا۔ نظر بظاہر اکھنڈ بھارت کا سارا بنا بنایا کھیل پنڈت جواہر لعل نہرو صدر انڈین نیشنل کانگریس کی حماقت کی بدولت بگڑا۔ لیکن ڈاکٹر اسرار احمد اس سارے واقعہ کی تاویل اس طرح پیش کرتے ہیں۔

"ہمارے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی تصرف کا مظہر تھا اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے گویا مسلمانانِ ہند پر یہ حجت قائم فرمائی تھی کہ تم تو ایک کلیتہً آزاد و خود مختار پاکستان کے مطالبے سے دست بردار ہوگئے تھے ہم نے اپنی مشیت و قدرت کو بروئے کار لاکر تمہیں ایک کاملتہً آزاد و خود مختار پاکستان عطا فرمایا۔ تاکہ دیکھیں کہ اب تم کیا کرتے ہو۔ (ص ۱۲۰ - ۱۱۹)

ڈاکٹر اسرار احمد کا شمار بجا طور پر اُن لوگوں میں کیا جاسکتا ہے۔ جنہوں نے اپنی صغر سنی کے باوصف آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے سرگرم کارکنوں کی حیثیت سے تحریک پاکستان کے ننھے منے کارکنوں کی فہرست میں اپنا نام بھی لکھوایا اور اُن لوگوں کی صف میں بھی شامل ہوئے جن کے سامنے قیامِ پاکستان کے بعد رونما ہونے والے حالات اور واقعات کی بناء پر مایوسی کی شدت کے عالم میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ پاکستان کا قیام درست اقدام تھا بھی یا نہیں؟ اس سوال کا جواب بھی خود فاضل مصنف کے الفاظ میں سن لیجئے:

"الحمد للہ ہمیشہ صورت یہ رہی کہ جب بھی میں نے از سر نو صغریٰ کبریٰ جوڑ کر حساب لگایا نتیجہ یہی برآمد ہوا کہ پاکستان کا قیام صحیح اور درست تھا"

اس سے بڑھ کر جو بات ڈاکٹر اسرار احمد نے کہی وہ یہ ہے کہ

"پاکستان کا معجزانہ قیام۔ قائداعظم کی غیر معمولی قیادت اور پاکستان کی تاحال خصوصی حفاظت وصیانت کی صرف ایک توجیہہ ممکن ہے اور وہ یہ کہ پاکستان اسلام کے عالمی غلبہ کی خدائی تدبیر کے سلسلہ کی اہم کڑی ہے۔"

عین ممکن ہے کہ پاکستان کے قیام وبقا کی یہ توجیہہ مغربی افکار سے مرعوب و مغلوب ذہنوں کے لئے قابل قبول نہ ہو لیکن جو لوگ نظریہ پاکستان کے مبنی بر اسلام ہونے پر یقین رکھتے ہیں اُن کے لئے زیرِ تبصرہ کتاب کا مطالعہ ایک لمحہ فکریہ مہیا کرے گا اور جب وہ اندریں حالات مملکتِ خداداد پاکستان کے استحکام کے موضوع پر غور فرمائیں گے تو فاضل مصنف کے اس خیال سے کلیتاً اتفاق کرکے یا کرنے سے پہلے کہ "پاکستان کے استحکام کا واحد ذریعہ اسلامی انقلاب ہے" انکی متوقع تالیف "پاکستان میں اسلامی انقلاب کب اور کیسے"؟ کا انتظار کرنے کو ترجیح دیں گے۔ تاکہ حتمی رائے قائم کرنے سے قبل اس بات کی تفصیلی وضاحت سامنے آجائے کہ اسلامی انقلاب سے ڈاکٹر صاحب کی مراد کیا ہے اور نتیجتاً جو سماجی معاشی نظام وجود میں آئے گا۔ اُس کے اہم خدوخال کیا ہوں گے۔"

کتاب کی کتابت، طباعت اور کاغذ کی عمدگی مصنف کی خوش ذوقی پر دلالت کرتی ہے۔ کتاب کی ضخامت کے پیش نظر مجلد اور غیر مجلد دونوں کی قیمت بازار میں کتابوں کی قیمت کے مقابلے میں کچھ نہیں بہت کم ہے۔ اغلباً مقصد کتاب کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہوگا۔ شاید کتاب کی عاجلانہ اشاعت اس کا سبب ہو۔ کہیں کہیں پروف ریڈنگ میں عجلت سے کام لیا گیا ہے اور چھوٹی موٹی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ مثلاً صفحہ ۴۷ پر دوسرے پیراگراف میں مشہور ماہر اقبالیات اور معروف شاعر مرزا محمد منور کے متعلق ایک جملہ میں از سرتاپیر کی ترکیب خاصی کھٹکتی ہے اسی جملہ میں ایک نقطہ کی کمی سے ظاہر وباطن، طاہر وباطن بن گیا۔ اسی طرح صفحہ ۷۵ پر سماجی معاشی اور سیاسی نظام کے وجود میں آنے کا تذکرہ کیا گیا ہے اور وجود کی دال غائب ہے۔ اگر اس خوبصورت کتاب کو نظر بد سے بچانے کے لئے یہ اور اس قبیل کی دیگر غلطیاں دانستہ طور پر نہیں کی گئیں تو توقع کی جاسکتی ہے۔ کہ آئندہ ایڈیشن میں انکی صلاح کر دی جائے گی اور پوری کتاب پر نظر ثانی کرتے وقت قدرے وقتِ نظر سے کام لیا جائے گا۔

امیر تنظیم اسلامی کا دورۂ سکھّر و اندرونِ سندھ

مرتّب : نجیب صدّیقی

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب درس و تدریس کے لئے تقریباً ربع صدی سے سکھر آتے جاتے رہے ہیں، درمیان میں طویل وقفے بھی ہوتے ہیں، بہرحال قرآن حکیم کے دروس کا سلسلہ جاری رہا۔ یہ درس عموماً مساجد میں ہوتے رہے ہیں۔ تنظیم اسلامی قائم ہونے کے بعد بھی سکھر شہر کے لوگ قرآن حکیم کے دروس سے محروم نہیں رہے۔ البتہ اندرون سندھ امیر محترم کا یہ پہلا دورہ تھا۔ اس سے قبل اس بات کی شدید خواہش تھی کہ سندھ کے دُور دراز علاقوں میں جایا جائے اور پیغام ربانی پہنچایا جائے، ایک سال قبل کندھ کوٹ کا پروگرام بھی بنا مگر بعض وجوہات کی بناپر منسوخ ہوگیا، اندرونِ سندھ نہ جانے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ہمیں کوئی ایسا ساتھی ابھی میسر نہیں آیا تھا جس کی توسط سے وہاں انتظام کیا جاسکے۔

الحمدللہ یہ راستہ کھلا، تنظیم فکر و نظر کے صدر جناب پروفیسر اسداللہ بھٹو صاحب نے اندرونِ سندھ کے لئے انتظامات کئے۔ انہیں دنوں تنظیم فکر و نظر نے سکھر میں سہ روزہ شاہ عبداللطیف بھٹائی عالمی کانفرنس منعقد کی تھی جو ۲۴ - ۲۵ - ۲۶ اپریل کو تھی، ابھی اسداللہ بھٹو صاحب مہمانوں کو پوری طرح رخصت نہ کر پائے تھے کہ ہماری طے شدہ تاریخیں آن پہنچیں، یعنی ۲۹ اپریل کو گھوٹکی، ۳۰ اپریل کو کندھ کوٹ، یکم اور ۲ مئی کو سکھر پروگرام رکھا گیا تھا۔ ۲۷ اپریل کی صبح ناظم تنظیم اسلامی میاں محمد نعیم صاحب کراچی حیدرآباد ہوتے ہوئے سکھر پہنچے، ان کا یہ دورہ رفقائے تنظیم سے رابطہ اور ملاقات کے لئے تھا، سکھر میں ہمارے رفقاء جلسہ کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے پھر ہمیں ۲۸ اپریل کی صبح رحیم یار خاں پہنچنا تھا اس لئے کہ امیر محترم نے اپنا دورہ رحیم یار خان سے شروع کیا تھا، اس طرح راقم

الحروف قیم تنظیم اسلامی میاں محمد نعیم صاحب کے ساتھ ۲۸ اپریل کی صبح رحیم یار خاں پہنچا۔ اسٹیشن پر جناب غلام اکبر صاحب موجود تھے جو رحیم یار خاں میں تنظیم کے واحد رفیق ہیں۔ ہمارا قیام جناب ڈاکٹر عبدالخالق صاحب کے مکان پر ہوا۔

ڈاکٹر عبدالخالق صاحب امیر محترم سے گہری محبت رکھتے ہیں تنظیم کی دعوت اور اس فکر کو رحیم یار خاں کے پڑھے لکھے طبقے تک بہ حسن وخوبی پہنچاتے رہے ہیں، میثاق میں جب استحکام پاکستان کے مضامین چھپے تو آپ نے ان مضامین کے ۲۰۰ سیٹ خرید کر اہل علم کو پہنچائے تاکہ وہ لوگ غور وفکر کریں اور جس مقصد کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہے وہ پورا ہو۔

رحیم یار خاں

رحیم یار خاں میں پہلا اجتماع ۲۸ اپریل صبح ۱۱ بجے کے قریب ہوا۔ یہ اجتماع خواتین کا تھا گرلز کالج میں اس کا اہتمام کیا گیا تھا۔ خواتین کی ایک بڑی تعداد شریک ہوئی۔ امیر محترم نے خواتین کی ذمہ داریاں اور انکی حدود کار کا تفصیل سے جائزہ لیا۔ بعد ازاں سوال وجواب میں خواتین نے حصّہ لیا اور اپنے اشکالات پیش کئے جس کا جواب امیر محترم کی طرف سے دیا گیا۔

دوسرا اجتماع جسے خصوصی اجتماع کہا جا سکتا ہے، مجلس فکر وادب خواجہ فرید گورنمنٹ کالج کی طرف سے امیر محترم کی کتاب "استحکام پاکستان" پر بحث وگفتگو کے لئے منعقد کیا گیا تھا۔ اس کے لئے باقاعدہ دعوت نامے جاری کئے گئے تھے، یہ اجتماع کالج کے شیخ زید آڈیٹوریم میں شام ½۵ بجے رکھا گیا تھا۔ ہر شخص کو اظہار خیال کی آزادی تھی کتاب کے ہر حصے پر وہ اپنے خیالات اور رائے پیش کر سکتا ہے یہ گفتگو مغرب تک چلتی رہی، ہال بھر چکا تھا باہر کرسیاں رکھی گئی تھیں۔ لیکن فیصلہ یہی ہوا کہ بعد نماز مغرب سامنے وسیع وعریض مسجد میں بقیہ کارروائی کی جائے۔ تاکہ جگہ کی تنگ دامانی حائل نہ ہوسکے۔ یہ علم وفکر کی نشست عشاء تک چلتی رہی۔ آخر میں امیر محترم نے استحکام پاکستان کے سلسلے میں ہونے والے سوالات پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور ہر گوشے کو اپنی بصیرت افروز تقریر سے منور کیا۔

۲۹ اپریل کی صبح صادق آباد ہوتے ہوئے ہم اجمل باغ رحیم آباد پہنچے۔ دوپہر تک قیام رہا، سردار اجمل خان لغاری صاحب نے اپنی زندگی کے بہترین ایام جماعت

اسلامی میں گزارے ہیں ۔ مرکزی مجلسِ شوریٰ کے ہمیشہ رکن رہے ، اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے اپنی تمام تر توانائیاں اور جوانی کے بھرپور ایام جماعت اسلامی کے نذر کیے تو یہ بیجا نہ ہوگا ۔ تن من دھن سے ساتھ دینے والوں میں جو چند نام ہیں ان میں سردار صاحب کا نام نمایاں ہے ۔ ڈاکٹر صاحب سے بہت محبت کرتے ہیں، اور اپنے قیمتی مشوروں سے نوازنے میں بخل سے کام نہیں لیتے ۔ قارئین میثاق کو یاد ہوگا کہ کچھ ماہ قبل آپ کے خطوط میثاق میں شائع ہوتے ہیں جس میں آپ نے بہت قیمتی مشوروں سے نوازا تھا ۔ ماچھی گوٹھ کے حادثہ کے بعد مایوس ہو کر جماعت سے الگ ہوتے اور اب وہ کسی نئی تجربہ کے حق میں نہیں ، مایوسی کے شدید ردعمل نے سوچ کی راہیں بھی جدا کر دی ہیں ۔ سردار صاحب سے کچھ مفید باتیں بھی ہوئیں وقت کم تھا ہمیں سہ پہر تک گھوٹکی پہنچنا تھا ۔ تشنگی باقی رہی — دوپہر کی تپتی ہوئی دھوپ میں گھوٹکی کے لئے روانہ ہوئے اور اللہ کے فضل وکرم سے عصر سے کچھ دیر قبل گھوٹکی پہنچ گئے ۔

گھوٹکی میں جلسہ کا انتظام یہاں کی مقامی تنظیم فکر ونظر نے کیا تھا ۔ جناب حاجی محمد شریف قریشی صاحب نے میزبانی کے فرائض انجام دیئے ان کا لڑکا صلاح الدین خدمت میں پیش پیش رہا ، جناب اسداللہ بھٹو صاحب صبح پہنچ چکے تھے آپ نے شہر میں اعلان کا انتظام کیا تھا ۔ خود انفرادی ملاقاتوں میں لوگوں کو جلسہ میں شرکت کی دعوت دی ، اشتہارات تقسیم کئے ۔ اس طرح گھوٹکی میں ہمارا پہلا تعارفی جلسہ تھا ۔ یہ جلسہ نئی غلہ منڈی کی مسجد میں منعقد کیا گیا تھا ۔ مسجد کی انتظامیہ نے بھرپور تعاون کیا ۔

بعد نماز عشاء امیر محترم کی تقریر ہوئی ، آپ نے فرمایا ۔ اندرون سندھ ہمارا یہ پہلا دورہ ہے ۔ یہاں آنے کے بعد ہمیں شدید احساس ہوا ہے کہ ہم نے پہنچنے میں بہت دیر کی ، اپنے بھائیوں کے جذبات سے بہت دیر میں آگاہی ہوئی ، یوں تو حالات معلوم تھے اور اس کے اظہار میں کبھی کوتاہی نہیں ہوتی لیکن براہ راست ملاقات و مشاہدہ کا آج پورا موقع تھا ۔

امیر محترم کی تقریر انتہائی جذباتی ، پرسوز ، پُر درد تھی ، ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ

ایک بچھڑا ہوا بھائی ایک عرصہ کے بعد اپنے بھائی سے مل رہا ہے اور دل کا درد بیان کر رہا ہے۔ اس پُرتاثیر تقریر نے دلوں کو گرمایا بھی اور تڑپایا بھی اور اس بات کا شدید احساس دلایا کہ ہماری بقا اور نجات قدم ملا کر چلنے میں ہے۔

امیر محترم نے فرمایا، حقوق کی جنگ میں اسلام کو شامل نہ کریں، اپنا حق وصول کریں، میں آپ کا ساتھ دوں گا مگر خدارا اسلام کو درمیان میں نہ لائیں، آپ نے ایک حدیث مبارکہ بیان کی کہ سودا لینے میں اس طرح کوشش کریں کہ پسینہ آ جاتے، کوئی آپ سے چار آنے زائد وصول نہ کر سکے ـــــ یہ آپ کا حق ہے۔ آپ نے فرمایا ـــ

اس برصغیر میں اسلام کے پہلے امین آپ ہیں، سندھ اس کا پہلا مرکز ہے۔ یہیں سے اسلام کاٹھیاوارا ور گجرات تک اور شمال میں لاہور اور اس کے اوپر کے علاقوں تک گیا ہے۔ آج بھی اس کی عزت و بقا آپ کے ہاتھ ہے۔

گھوٹکی کے رہنے والوں نے اس قسم کی تقریر آج پہلی بار سنی تھی، وہ بے حد متاثر تھے، امیر محترم جب تقریر کر کے مسجد سے نیچے اُترے تو ایک مدرسہ کے مہتمم صاحب نے گھیر لیا اور فرمانے لگے کہ آپ کو ہمارے مدرسے میں آنا ہوگا تقریر نہ سہی دعا کریں ہیں وعدہ لئے بغیر جانے نہ دوں گا۔ اس خلوص و محبت اور بے ساختگی پر ڈاکٹر صاحب نے وعدہ فرما لیا، نماز فجر ہم نے انکی مسجد میں جو اسٹیشن سے متصل ہے ادا کی، بعدہٗ امیر محترم نے سورۃ العصر کا مختصر درس دیا اور دُعا کی۔

تقریر سے متاثر ہونے والے اور قومی درد رکھنے والے افراد صبح ملاقات کے لئے پہنچے، ہمارا خیال تھا کہ صبح ۸ بجے کندھ کوٹ کے لئے روانگی ہو جائے گی مگر ایسا نہ ہو سکا اور گفتگو میں سوا دس بج گئے۔ سوا دس بجے ہم لوگ کندھ کوٹ کے لئے روانہ ہوئے

کندھ کوٹ

ہم ظہر تک پہنچ گئے، ہمارا خیر مقدم جناب ڈاکٹر غلام نبی شجراہ صاحب نے کیا، آپ سے ہم سب کی پہلی ملاقات تھی پروفیسر اسد اللہ بھٹو صاحب تو پہلے سے واقف تھے۔ البتہ ہمارے لئے یہ تمام افراد نئے تھے۔ ڈاکٹر شجراہ صاحب اور انکے احباب نے جلسہ کا انتظام اپنے ایک ساتھی کے مکان جس کا صحن کافی وسیع و عریض تھا کیا تھا، شہر میں اعلان بھی آپ ہی کی طرف سے ہوا تھا، انفرادی ملاقاتوں میں لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا یہی وجہ تھی کہ حاضری بڑی

چیندہ افراد کی تھی۔

امیر محترم نے جن جذبات کا اظہار گھوٹکی میں کیا تھا اسی انداز میں یہاں بھی دل کی بات کہی، دل سے نکلی ہوئی بات دل میں ضرور گھر کر لیتی ہے، سامعین نے محسوس کیا کہ یہ شخص اجنبی نہیں ہمارا اپنا ہے۔ اس نے ہمارے دل میں آنز کر بات کی ہے اسکی بات اپنی بات ہے۔ یہ شخص ہمارا ہمدرد ہی نہیں۔ ہمارا بھائی بھی ہے، اس نے ہمیں محبت سے گلے لگایا ہے۔ تقریر کے بعد ہر شخص بڑے جوش و خروش کے ساتھ مل رہا تھا۔

گھوٹکی میں بھی ہم نے مکتبہ لگایا تھا اور کندھ کوٹ میں بھی، مگر کندھ کوٹ میں مکتبہ پر رش پڑ گیا۔ امیر محترم سے دلچسپی کا ایک بڑا اظہار اس طرح بھی ہوا۔

صبح کا ناشتہ جناب بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کی طرف سے تھا۔ سوالات وجوابات کا سلسلہ جس طرح محفل میں تھا اس طرح دستر خوان پر بھی رہا۔ جب ہم لوگ مبارکپور کے لئے روزانہ ہوتے تو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہم لوگ ایک دوسرے کو برسوں سے جانتے ہیں اور رخصت ہوتے وقت وہی کیفیت نمایاں تھی۔ وقت کی کمی کا شکوہ بھی تھا ـــــ تشنگی بھی باقی رہی ـــــ

مُبارک پُور جناب اسد اللہ صاحب کا اپنا گوٹھ ہے، اطلاع تو پہلے سے تھی ہی، لوگ منتظر تھے۔ جلسہ کا انتظام مسجد میں کیا گیا تھا، امیر محترم نے پرجوش تقریر فرمائی۔ اور وہی باتیں جو گھوٹکی اور کندھ کوٹ میں کہی تھیں نئے انداز سے دھرائیں۔ تقریر کے بعد منشور کا سندھی ترجمہ تقسیم کیا گیا، اور بلا تاخیر ہم سکھر کے لئے روانہ ہوگئے۔

سکھر میں درس و تدریس کا سلسلہ تو جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ تقریباً ربع صدی سے جاری ہے، لیکن یہ دروس عموماً مساجد، کسی کلب، یا جیم خانہ میں ہوتے رہے ہیں۔ یہ پہلا اتفاق تھا اس جلسہ کا انتظام کھلے میدان میں کیا گیا تھا۔ تنظیم فکر و نظر کے وسیع پلاٹ میں جو کبھی غازی عبدالرشید پارک کے نام سے موسوم تھا جلسہ کا انتظام کیا گیا تھا۔ ہمارے رفقاء کے لئے بھی یہ نیا تجربہ تھا، پانچ صد کرسیاں بڑے سلیقے سے بچھائی گئیں تھیں، جلسہ بعد نماز عشاء تھا، کرسیاں بھر

گئیں تو دریاں بچھائی گئیں اس طرح حاضرین کی تعداد ۸۰۰ کے قریب رہی۔

پروفیسر اسد اللہ بھٹو صاحب نے امیر محترم کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا انقلابی پروگرام وہ واحد طریقہ ہے جس سے اسلامی نظام کا قیام ممکن ہے، سکھر والوں نے انتخاب کا بارہا تجربہ کیا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اسلام کے نام پر ملنے والے ووٹوں کی تعداد کل ساڑھے تین ہزار تھی جبکہ دوسری طرف کی تعداد اس سے دس گنا زائد تھی۔ انتخابی سمت میں ہماری صلاحیتیں ضائع ہو رہی ہیں، آج اس بات کی ضرورت ہے کہ اس انقلابی طریقہ کار کو اپنایا جائے۔

امیر محترم نے اپنی تقریر میں استحکام پاکستان اور عدم استحکام کا تفصیل سے جائزہ لیا اور فرمایا، ملک کی واحد اساس اسلام ہے، چاروناچار اسے اختیار کرنا پڑے گا۔ اس لئے کہ اس کے علاوہ کوئی دوسری اساس موجود نہیں، نہ زبان بنیاد بن سکتی ہے۔ نہ تہذیب اور نہ تاریخی عمل موجود ہے ــــ پاکستان میں اسلام انتخابی عمل سے نہیں آئے گا۔ امیر محترم نے اپنے مخصوص انداز میں اس پر بھرپور تبصرہ کیا اور اپنے تبصرے میں ان تمام باتوں کا بھی اعادہ ہو گیا جیسے گھوٹکی اور کندھ کوٹ میں فرما چکے تھے۔

گاڑی موری

۲ رمئی سکھر سے ۱۱ رکلومیٹر دور وزیر اعلیٰ سندھ جناب علی غوث شاہ صاحب کے گاؤں میں نماز فجر ادا کی گئی، جناب ندیم انصاری صاحب نے ہمیں مدعو کیا تھا۔ آپ دینی درد رکھنے والے اس گاؤں کے ممتاز فرد ہیں۔ محکمہ تعلیم سے آپ کا تعلق ہے، اچھے شاعر اور ادیب ہیں۔

امیر محترم نے نماز فجر کے بعد قرآن مجید کی تین آیات کا درس دیا۔ ان آیات کی روشنی میں سندھ میں بسنے والے اپنے بھائیوں کو ان کی ذمہ داری کا احساس دلایا۔ باب الاسلام کے حوالے سے ان کا بھولا ہوا سبق انہیں یاد دلایا۔

سیمنٹ فیکٹری روہڑی

یہاں جمعہ کی نماز ادا کرنی تھی، ٹھیک ½۱۲ بجے ہم جامع مسجد پہنچ گئے امیر محترم نے اپنی تقریر میں ماہ صیام کے حوالے سے گفتگو کی۔ آپ نے فرمایا روزہ محض بھوکا رہنے کا نام نہیں روزہ سے اگر انسان میں تقویٰ پیدا نہیں ہوتا تو اللہ کو اسکی ضرورت نہیں کہ کوئی بھوکا پیاسا رہے۔ پھر آپ نے تقویٰ کی تشریح کی، تقویٰ کا اثر اس کی انفرادی

اور اجتماعی زندگی میں پڑنا چاہیئے ۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا اظہار ہی تقویٰ کی علامت ہے ۔ معاشرے میں رائج تقویٰ کی ظاہری شکل پر آپ نے تنقید فرمائی ۔

فاران کلب کھر

عصر تا عشاء فاران کلب کی طرف سے تقریر کی دعوت تھی، تقریر کا انتظام ایک ہائی اسکول میں کیا گیا تھا، فاران کلب کے صدر نے امیر محترم کا خیر مقدم کیا اور کلب کی غرض وغایت پر روشنی ڈالی ۔ یہ کلب بھی کراچی فاران کلب کی ایک شاخ ہے جو دینی اجتماعات کا انعقاد کیا کرتا ہے ۔ عصر تا مغرب سوالات وجوابات کی نشست رہی، عموماً سوالات انتخابات اور انقلاب کے موضوع پر ہے ۔ فاران کلب کی طرف سے جو موضوع دیا گیا تھا وہ یہ تھا ۔ "پیغمبر اسلام اور ماہ صیام" مگر سوالات کے رُخ نے تقریر کے موضوع میں ترمیم پر آمادہ کیا اور امیر محترم نے پہلے مذکورہ موضوع پر گفتگو کی پھر بقیہ وقت میں انقلاب کے مراحل مختصر اور جامع انداز میں بیان کئے ۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس سعی وجہد کو بار آور کرے اور ہم سب کے حق میں اسے توشہ آخرت بنائے ۔ آمین

Coca-Cola
Coca-Cola is it!
TRADE MARK REGD.
THE COCA-COLA

سالانہ رپورٹ

تنظیمِ اسلامی پاکستان

(یکم مارچ ۱۹۸۵ء تا ۸، فروری ۱۹۸۶ء)

مرتب : چوہدری غلام محمد، معتمد تنظیمِ اسلامی

تنظیم اسلامی کا قیام مارچ ۷۵ ۱۹ء میں عمل میں آیا تھا۔ لہٰذا اب اس قافلہ کو تشکیل پائے گیارہ سال کا عرصہ بیت چکا ہے۔ گذشتہ سال دسواں سالانہ اجتماع ۲۴ تا ۲۸، مارچ ۸۵ء منعقد ہوا تھا۔ اب بفضلہ تعالیٰ اس سال تنظیم اسلامی کا گیارہواں سالانہ اجتماع ۴ تا ۶، اپریل ۸۶ء منعقد ہو رہا ہے۔ لہٰذا اس رپورٹ میں پیش کئے جانے والے اعداد و شمار اور سال بھر کی کاموں کی مختصر روداد از یکم مارچ ۸۵ء تا ۲۷ فروری ۸۶ء کے عرصہ پر محیط ہوں گے۔

گذشتہ سالانہ اجتماع کے موقع پر اس مختصر سے قافلہ کی زندگی کے دس سال پورے ہونے پر ہم نے توفیق خداوندی سے اپنی دس سالہ کارگذاری پر نگاہ بازگشت ڈالنے کے علاوہ اپنے دینی فکر بالخصوص تصور فرائض دینی کے بھرپور تنقیدی جائزہ کا اہتمام کیا تھا۔ سالانہ اجتماع کے ساتھ ہی منعقد ہونے والے محاضرات قرآنی میں اہل علم و فضل نے اپنی تائیدی تنقیدی یا اختلافی آراء کا اظہار فرمایا تھا۔ جن کا پوری وسعت قلبی سے جائزہ لیا گیا۔ الحمدللہ محکم دلائل کے ساتھ کوئی اختلافی رائے ہمارے سامنے نہ آسکی اور ہمیں اس بات پر مزید اطمینان اور انشراح صدر نصیب ہوا۔ کہ ہم نے جس فکر پر تنظیم اسلامی کی تاسیس کی تھی وہ درست ہے۔ ان محاضرات پر سیرحاصل تبصرہ امیر محترم سپرد قلم کر چکے ہیں اور "میثاق" کے اپریل، جون ۸۵ء کے شماروں میں شائع ہو چکے ہیں۔ مزید براں جناب امیر تنظیم اسلامی نے تمام رفقائے تنظیم کے نام جاری شدہ اپنے مکتوب مورخہ ۱۰ جون ۸۵ء میں اس بات پر اظہار شکر و امتنان کیا تھا کہ تنظیم اسلامی کی

دعوت اور ہیئت اجتماعیہ کے لئے جو لائحہ عمل اختیار کیا تھا بفضلہ تعالیٰ وسبحانہٗ وہ عین کتاب وسنت سے ماخوذ ہے - نیز یہ توقع ظاہر فرمائی تھی کہ اب تمام رفقائے تنظیم پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے فرائض دینی کی بجا آوری میں منہمک ہو جائیں گے - جناب امیر تنظیم نے اس مکتوب میں بعض اصولی ہدایات کے علاوہ آئندہ کی کارگذاری کے لئے کچھ خطوط بھی معین فرمائے تھے - اس سالانہ رپورٹ میں انہی خطوط کی روشنی میں تنظیم اسلامی کی اس سال کے دوران کارگذاری کا جائزہ پیش کرنا مقصود ہے -

گذشتہ سالانہ اجتماع کے موقع پر اندرون ملک ۲۲ اور بیرون ملک ۳ مقامی تنظیمیں قائم ہو چکی تھیں علاوہ ازیں پانچ مقامی اسرہ جات بھی موجود تھے - اس سال کے دوران تنظیم اسلامی حیدر آباد کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک نئی مقامی تنظیم لطیف آباد کا قیام عمل میں آیا ہے - واہ کینٹ میں ایک نیا مقامی اسرہ بھی قائم کیا گیا ہے - اس طرح اب اندرون ملک ۲۳ مقامی تنظیمیں اور چھ مقامی اسرہ جات موجود ہیں - گذشتہ ماہ اکتوبر میں جناب امیر تنظیم اسلامی سعودی عرب تشریف کے لئے تھے اس موقع پر وہاں دو مقامی تنظیموں کا قیام عمل میں آیا - جدہ اور طائف میں مقیم رفقائے تنظیم کو تنظیم اسلامی جدہ میں شامل کیا گیا اور ریاض میں مقیم رفقاء پر مشتمل تنظیم اسلامی ریاض تشکیل دی گئی - اس طرح اب بیرون ملک پانچ مقامی تنظیمیں کام کر رہی ہیں - مزید براں دسمبر ۸۵ء میں امیر محترم نے ابوظہبی کا دعوتی دورہ بھی کیا تھا - جہاں ہمارے چار رفقاء پہلے سے موجود تھے ۳۶ نئے اصحاب عہد نامہ رفاقت اٹھا کر اور بیعت کر کے تنظیم اسلامی میں شامل ہوئے - امارات کی دوسری ریاستوں میں بھی ۵ منفرد رفقاء موجود ہیں - فی الحال امارات میں مقیم رفقاء کو باقاعدہ تنظیم کی شکل دینے کے بجائے وہاں اسرہ قائم کیا گیا ہے - الحمد للہ بیرون پاکستان کی تنظیموں اور اسروں اور رفقاء سے خط و کتابت کے ذریعہ رابطہ کی بنیاد مضبوط تر ہو گئی ہے - چونکہ امیر محترم نے ابوظہبی کے دورے سے مراجعت کے بعد یہ ذمہ داری جناب بھائی قمر سعید قریشی صاحب کو تفویض کر دی ہے اور وہ کافی محنت و اہتمام کے ساتھ اس کام کو انجام دے رہے ہیں - اللہ تعالیٰ ان کی ان مساعی کو نتیجہ خیز اور مشکور فرمائے -

گذشتہ سالانہ اجتماع کے بعد یہ طے کیا گیا تھا کہ بیعت سمع وطاعت فی المعروف کے تقاضوں کے مطابق اب ہمارے ہاں ایسی فضا قائم ہو جانی چاہیے جس میں قانونیت

کم سے کم اور ترغیب و تشویق پر زیادہ زور ہو ۔ اس مقصد کے لئے اس سال کے دوران لاہور اور کراچی کی تنظیموں میں اجتماعات کا ایسا نظام اختیار کیا گیا ۔ جس میں محاسبہ و باز پرس کی بجائے دعوت و تذکیر اور وعظ و نصیحت نمایاں ہو ۔ چنانچہ اجتماعات خصوصی و عمومی کی تفریق ختم کر دی گئی ۔ اب ایک اجتماع تربیتی و تذکیری نوعیت کا ہوتا ہے ۔ جس سے اصل مقصود رفقاء کی تربیت ہے لیکن اس میں دوسرے حضرات بھی شریک ہو سکتے ہیں ۔ دوسرا اجتماع دعوتی و تبلیغی مقاصد کے لئے ہوتا ہے ۔ جس کے اصل مخاطب نئے لوگ ہوتے ہیں لیکن اس میں رفقاء بھی شریک ہوتے ہیں ۔ لاہور کی تنظیموں کے یہ اجتماعات مشترکہ اور ماہوار منعقد ہوتے رہے ہیں ۔ اگرچہ اسکے علاوہ اسرہ جاتی سطح پر ہفتہ وار اجتماعات کا بھی اہتمام ہے ۔ دعوتی اجتماع مختلف مقامات پر مختلف تنظیموں کے زیر اہتمام ہوتا رہا ہے ۔ اور اب بفضلہ تعالےٰ اس نے ایک جلسہ عام کی حیثیت اختیار کر لی ہے ۔ جناب امیر تنظیم اسلامی نے ان اجتماعات میں اسلامی انقلاب اور پاکستان کے موضوع پر مفصل خطابات فرمائے ہیں ۔ تربیتی و تذکیری اجتماع بھی باقاعدگی سے منعقد ہوتا رہا ہے ۔ جناب امیر تنظیم کی اس میں بنفس نفیس شرکت نے جہاں اس کو تربیتی نقطۂ نظر سے بہت مفید بنا دیا ہے ۔ وہاں رفقاء سے ربط و ضبط کی بھی ایک بہت موزوں صورت پیدا ہوئی ہے ۔ ان اجتماعات سے متعلق امور کی نگہداشت اور دیگر پیش آمدہ ضروری معاملات پر مشورہ اور تصفیہ کے لئے لاہور کی تنظیموں کے امراء کا ہفتہ وار اجتماع سال کے دوران باقاعدگی سے ہوتا رہا ہے ۔ امسال کراچی کی تنظیم کو بھی تین مستقل تنظیموں میں تقسیم کر دیا گیا ہے وہاں دعوتی و تذکیری اجتماعات ہر تنظیم کی سطح پر الحمدللہ باقاعدگی سے الگ الگ ہوتے رہتے ہیں ۔ البتہ عوامی سطح پر ماہانہ دعوتی اجتماعات کے انعقاد میں تاحال وہاں باقاعدگی پیدا نہیں ہوئی ہے ۔

ہفتہ وار احتسابی یاد داشت یا رپورٹ کے بارہ میں ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ اس کی تحریر و جائزہ کے نظام کو از سر نو پورے اہتمام کے ساتھ جاری کر دیا جائے ۔ اس ضمن میں ہدایات جاری کی گئیں ۔ امراء و ناظمین نے اس کے لئے کوشش کی ۔ لیکن کما حقہٗ نتیجہ برآمد نہیں ہو سکا ۔ اس کا اہتمام ابھی جزوی ہے ۔

خواتین کے حلقہ کو منظم اور فعال بنانے کا ہم نے ارادہ کیا تھا۔ اس مقصد کے لئے بعض ضروری اقدامات ہم نے کئے۔ لیکن بوجوہ اس میں کامیابی نہیں ہو سکی۔ ایک مختصر سے حلقہ خواتین کا قرآن اکیڈمی میں ہفتہ وار اجتماع ہوتا ہے۔ جس میں تعلیم و تدریس اور تلقین ہو رہی ہے۔ بعض دوسرے مقامات پر بھی خواتین نے تنظیم میں شرکت کی ہے۔ لیکن ان کے لئے کسی مناسب نظم کا قیام دخط و کتابت اور ان کے ریکارڈ کی درستگی نہیں ہو سکی۔ ہمیں اس پر مزید غور کرنا چاہیئے۔ مزید برآں خواتین سے بیعت لینے کیلئے سورہ الممتحنہ کی آیت مبارکہ ۱۲ کے الفاظ اور اسلوب لے کر عبارت مرتب کر لی گئی ہے۔

ہم نے یہ طے کیا تھا کہ اس سال کے دوران پانچ مقامات (کوئٹہ۔ حیدرآباد ملتان۔ راولپنڈی۔ پشاور) پر علاقائی اجتماعات منعقد ہوں۔ اللہ تعالٰی کے فضل و کرم سے پروگرام کے مطابق ان مقامات پر اجتماعات کا انعقاد بحسن وخوبی عمل میں آگیا ہے۔ ماہنامہ میثاق میں ان کی تفصیلی روداد کی اشاعت کا اہتمام ہوتا رہا ہے۔ ان کی نمایاں خصوصیت ان تمام مقامات پر جلسوں کی صورت میں جناب امیر تنظیم اسلامی کے وہ مفصل عوامی خطابات تھے۔ جن کا مشترک عنوان۔ "اسلامی انقلاب کیا۔ کیوں اور کیسے؟" تھا۔ الحمد اللہ ان خطابات کے ذریعہ وسیع حلقہ میں تنظیم اسلامی کے تعارف اور توسیع دعوت کے علاوہ ملکی سطح پر کرنے کے اصل کام کی نشان دہی اور وضاحت ہو گئی۔ علاوہ ازیں ان علاقائی اجتماعات میں تنظیمی مسائل کے متعلق قرآنی ہدایات پر مشتمل قرآن مجید کے منتخب نصاب نمبر ۲ کا بیان ہمارے بعض رفقاء نے کیا۔ اس سے جہاں تنظیمی امور اور قرآن مجید کی ہدایات کی تذکیر ہوئی وہاں کچھ رفقاء کو درس و خطاب کی مشق کا موقع بھی فراہم ہوا۔ ہم نے یہ طے کیا تھا کہ ہر رفیق تنظیم اسلامی ان علاقائی اجتماعات میں سے حسب فرصت و سہولت دو اجتماعات میں ضرور شریک ہو۔ ان اجتماعات کے انعقاد کے بارہ میں اطلاعات قبل از وقت بذریعہ میثاق۔ سرکلرز اور خطوط تمام رفقائے تنظیم تک پہنچائی جاتی رہی ہیں ہیں۔ تاہم تقریباً ۵۰ فیصد رفقاء نے ان اجتماعات میں شمولیت کی۔

تعلیم و تربیت کے نقطۂ نظر سے بھی سال کے شروع ہی میں انجمن خدام القرآن

اور تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام پروگرام وضع کر لئے گئے تھے ۔ انجمن کے زیر اہتمام دو سالہ تدریسی سکیم کی دوسری کلاس کا اجراء بھی ہوا اور نوجوان طلباء کے لئے ایک دو ماہی تربیت گاہ کا انعقاد موسم گرما کی تعطیلات میں بھی ہوا ۔ تنظیم اسلامی کے رفقاء اور ان کے متعلقین کی اس میں شرکت برائے نام رہی ۔ تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام ایک پندرہ روزہ تربیت گاہ تو گذشتہ سالانہ اجتماع کے متصلاً بعد منعقد ہو گئی تھی ۔ اس میں ۲۵ حضرات شریک ہوئے جس میں ۱۶ رفقائے تنظیم تھے اس کے بعد سال کے دوران چار پندرہ روزہ تربیتی پروگرام منعقد کرنے کا فیصلہ ہوا تھا ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ان کے انعقاد کا اہتمام بھی ہو گیا لیکن ان میں رفقاء کی شرکت اطمینان بخش نہیں رہی ۔ بہت محنت اور اہتمام سے ترتیب دئے ہوئے تربیتی پروگراموں سے استفادہ کے لئے رفقاء وقت فارغ نہیں کر سکے ۔ اس موضوع پر از سر نو غور و خوض اور نئی منصوبہ بندی کی ضرورت ہے ۔

میثاق تنظیم اسلامی کا ترجمان ہے ۔ سال کے دوران الحمد للہ اس کی اشاعت میں باقاعدگی رہی ۔ اگرچہ اشاعت میں مزید اضافہ نہیں ہوا ۔ اب یہ تقریباً سات ہزار کی تعداد میں چھپ رہا ہے ۔ تنظیم اسلامی کی دعوت سے متعلق، امیر محترم کے دروس وخطابات اور دیگر مضامین کے علاوہ اطلاعات، رفقاء کار ۔ امیر محترم کے دعوتی وتنظیمی دوروں کی تفصیلات اس کے مندرجات کا مستقل حصہ ہیں ۔ اس کے معیار کو مزید بہتر بنانے کی کوششیں جاری ہیں ۔ نشر القرآن کیسٹ سیریز اور الہدیٰ کیسٹ لائبریری کے معاملات الحمد للہ بخیر وخوبی چلتے رہے ہیں ۔ وڈیو کیسٹس موجودہ دور میں ۔ تعلیم وتربیت اور نشر واشاعت کا ایک بہت موثر ذریعہ بن گیا ہے ۔ لہٰذا یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ دینی مقاصد کے لئے بھی اس سے بھرپور استفادہ کیا جائے گا ۔ اب نشر القرآن سیریز میں وڈیو کیسٹس کا اضافہ کیا گیا ہے اس مقصد کے لئے ضروری سامان فراہم کر لیا گیا ہے اور اب اہم خطابات ودروس کی باقاعدہ ریکارڈنگ ہو رہی ہے ۔ پیش نظر یہ ہے کہ کوئی ایسا قابل عمل نظام وضع کیا جائے جس سے مختلف تنظیموں میں مختلف مقامات پر اس سے استفادہ کیا جا سکے ۔ گذشتہ پندرہ روزہ تربیتی پروگرام میں اس کے استعمال سے بہت مفید نتائج

برآمد ہوئے تھے۔ بعض انتظامی پیچیدگیوں کی وجہ سے نشر القرآن اور اس کے متعلقات کو تنظیم اسلامی سے انجمن خدام القرآن کو منتقل کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

سال کے دوران تنظیم اسلامی کی مرکزی مجلس مشاورت کے سہ ماہی اجلاس پابندی سے منعقد ہوتے رہے ہیں جن میں دعوتی اور تنظیمی امور پر غور و خوض اور ان کی روشنی میں مناسب فیصلے کئے جاتے رہے ہیں۔

دفتر تنظیم اسلامی پاکستان کی زیر تعمیر عمارت جزوی طور پر مکمل ہو گئی ہے اور مرکزی دفتر وہاں پر منتقل کر دیا گیا ہے۔ بیرون پاکستان کا شعبہ قرآن اکیڈمی ہی میں جناب امیر تنظیم اسلامی کی براہ راست نگرانی میں کام کرتا رہے گا اور جناب قمر سعید قریشی صاحب نائب امیر تنظیم اسلامی بیرون پاکستان کی حیثیت سے اس کے ذمہ دار ہیں۔ نامزد نائب امیر تنظیم اسلامی پاکستان جناب میاں محمد نعیم صاحب اپنی مصروفیات سے فارغ ہو کر ہمہ وقت خدمت دین میں لگ جانے کے لئے وسط اکتوبر میں مرکز پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے رفقاء سے رابطہ اور ان میں جذبہ و حرکت پیدا کرنے کے لئے کئی تدابیر اختیار کی ہیں۔ ابتداء میں انہوں نے گوجرانوالہ۔ راولپنڈی۔ اسلام آباد ایبٹ آباد اور پشاور کے رفقاء سے رابطہ قائم کیا لیکن بعدازاں ان کا زیادہ وقت لاہور ہی میں صرف ہوا ہے۔ ہماری خواہش یہ ہے کہ اسی نہج پر دوسرے مقامات پر بھی رفقاء اب عملی اقدامات کے لئے کمر کس لیں۔ امیر تنظیم کی اجازت سے اب میاں محمد نعیم صاحب اپنے دائرہ کار کو دوسرے مقامات تک وسعت دیں گے۔

اس سال کے دوران جناب امیر تنظیم اسلامی کی بیرون لاہور مصروفیات میں نسبتاً کچھ کمی واقع ہوئی۔ گذشتہ رمضان المبارک میں دورہ ترجمہ القرآن کی شدید مشقت کے بعد تقریباً دو تین ماہ ناسازی طبع کی بنا پر پابند مسکن ہونا پڑا۔ تاہم کراچی کے ماہوار پروگرام شام الہدیٰ اور اسلام آباد کمیونٹی سنٹر میں ماہوار درس قرآن کا سلسلہ جاری رہا۔ ان پروگراموں سے ملحق مزید دعوتی و تبلیغی پروگرام بھی مختلف مقامات پر ہوتے رہے۔ چنانچہ سکھر۔ حیدرآباد۔ پشاور۔ رحیم یار خاں۔ صادق آباد اور کئی دیگر مقامات پر جانا ہوا۔ کوئٹہ کے علاقائی اجتماع ۱۳ تا ۱۸ ستمبر سے متصلاً قبل ۸ تا ۱۲ ستمبر بلوچستان کے مقامات خضدار۔ لورالائی اور پشین کا دورہ ہوا۔ ہمارے

رفقاء نے اس کے لئے خصوصی محنت کی اور اللہ تعالٰی کے فضل و کرم سے اسطرح دُور دراز علاقوں میں تنظیم اسلامی کا تعارف ہوا اور توسیع دعوت کے مواقع پیدا ہوئے۔ علاوہ ازیں کوئٹہ راولپنڈی پشاور ۔ حیدرآباد اور ملتان کے علاقائی اجتماعات کے دوران بھی امیر تنظیم نے بہت بڑے بڑے اجتماعات سے خطاب فرمایا اور بفضلہ تعالٰی تنظیم اسلامی کے حلقۂ اثر کو وسعت نصیب ہوئی ۔ بعض مقامات پر اگرچہ بغرض آرام ہی جانے کا پروگرام ہوا ۔ تاہم اللہ تعالٰی نے اس کو بھی کئی پہلوؤں سے مفید بنادیا۔ چنانچہ مری اور ایبٹ آباد کے چند روزہ قیام کے دوران صاحبزادہ غلام النصیر چلاسی المعروف چلاسی بابا سے ملاقات ہوئی جو کہ اس علاقہ کی معروف با اثر دینی شخصیت ہونے کے علاوہ ایک صحیح اسلامی فکر کے حامل مرد درویش ہیں ۔ اکتوبر کے وسط میں اگرچہ سعودی عرب آرام اور بحالی صحت کے لئے پروگرام بنا تاہم وہاں قیام کے دوران جدہ ۔ مکّہ مکرمہ ۔ طائف ۔ ریاض اور الخبر میں محدود نشستوں اور بڑے اجتماعات میں دروس و خطابات کا اہتمام ہوگیا ۔ اواخر نومبر بھارت جانا ہوا ۔ وہاں پر پندرہ روزہ قیام کے دوران دہلی اور حیدرآباد دکن میں مختلف چھوٹے بڑے اجتماعات میں خطاب اور محافل میں گفتگو کا موقع میسر آیا ۔ موخر الذکر میں ۱۲ اور ۱۳ ربیع الاوّل کے اجتماعات میں شرکاء کی تعداد لاکھوں سے بھی متجاوز بتائی جاتی ہے ۔ وسط دسمبر میں ابوظہبی کے بہت کامیاب دورہ کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے ۔ وہاں پر تنظیم اسلامی کے اب چالیس رفقاء موجود ہیں اور الحمدللہ نائب امیر تنظیم اسلامی برائے بیرون پاکستان جناب قمر سعید قریشی صاحب کا ان سے فرداً فرداً رابطہ قائم ہو چکا ہے۔ اللہ تعالٰی اس حلقہ کو مزید وسعت اور استحکام عطا کرے اور احیائے دین کے لئے مفید بنائے ۔

اسلامی انقلاب اور اس کے مراحل کی وضاحت جناب امیر تنظیم اسلامی کے گزشتہ سال کے خطابات جمعہ اور عوامی تقاریر کا موضوع رہا تھا ۔ اس سے تنظیم اسلامی کے پیش نظر انقلابی عمل نکھر کر سامنے آگیا تھا ۔ اس سال کے دوران اس میں پاکستان کے حوالہ گفتگو کا اضافہ ہوا ہے ۔ وہ یہ کہ پاکستان کی بقاء و استحکام کا ضامن صرف اسلامی انقلاب ہے ۔ امیر تنظیم نے اس نقطہ نظر کو اندرون و بیرون ملک

مختلف اسالیب اور زاویوں سے بدلائل و براہین بیان فرمایا ہے۔ ان شاء اللہ العزیز۔ اب کسی اپنے یا پرائے کے لئے تنظیم اسلامی کی پکار اور منہج عمل کی تفصیلات کے ضمن میں کوئی ابہام باقی رہنے کی گنجائش نہیں رہے گی۔ تنظیم اسلامی اولاً پاکستان اور بالآخر پورے کرہ ارضی پر اسلامی انقلاب برپا کرنا چاہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ہم پر دورانِ سال یہ فضل ہوا ہے کہ یہ تمام تصریحات احاطہ تحریر میں بھی آتی چلی جارہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا مزید کرم یہ ہوا کہ طائف کے تقریباً دس روز کے قیام میں "استحکامِ پاکستان" کے موضوع کو ضبط تحریر میں لانے کی سبیل پیدا ہوگئی اور امیر محترم نے اس عرصہ میں کتاب کا مقدمہ اور پہلے تین ابواب کو سپردِ قلم کر دیا۔ واپسی پر امیر محترم کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ خیال ڈالا کہ اس "فیصلے از حجاز" کی اشاعت کسی کثیر الاشاعت روزنامہ میں کردی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی سبیل پیدا فرمادی اور پاکستان کے مشہور و معروف "روزنامہ جنگ" کے چاروں ایڈیشنوں (کراچی، لاہور، راولپنڈی اور کوئٹہ) میں دسمبر ۸۵ء سے ہر جمعہ ایڈیشن میں ادارتی صفحہ پر اس کا اہتمام ہوگیا اور اس کا ایک فائدہ بقول امیر محترم یہ ہوا کہ اسی طرح پاس عہد سے احساس فرض دو آتشہ ہوگیا اور ۱۷ فروری ۸۶ء تک جملہ اقساط ضبط تحریر میں آکر ۲۸ فروری ۸۶ء تک روزنامہ جنگ میں شائع ہوگئیں۔ ساتھ ساتھ یہ جملہ اقساط جنوری ۸۶ء سے اپریل تک ماہنامہ "میثاق" میں بھی شائع ہوتی رہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے یہ کتاب ۲۷ مارچ کو نہایت دیدہ زیب کتابت و طباعت کی صورت میں منصہ شہود پر آگئی ہے۔ امسال ۲۸ مارچ سے ۳ اپریل ۸۶ء تک مرکزی انجمن خدام القرآن کے سالانہ محاضرات قرآنی کے تحت اس کتاب پر سات روز تک مجلس مذاکرہ منعقد ہوئی جس میں متعدد اہل علم وفضل نے شرکت فرمائی۔ (اس مذاکرہ کی مفصل روداد "حکمتِ قرآن" کے مئی ۸۶ء میں دیکھی جاسکتی ہے) اور اب طبع ہوکر بھی ہمارے سامنے آرہی ہیں۔ تنظیم اسلامی کے تعارف اور اسلام کے انقلابی منشور کے مختصر بیان پر مشتمل ایک چہار ورقہ بھی شائع کیا گیا ہے۔ جس میں اسلامی انقلاب کے نتیجہ میں سیاسی، معاشی اور معاشرتی سطح پر جو تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں ان کی طرف بھی اشارات موجود ہیں اور اس انتخاب

کو بروئے کار لانے کے لئے تنظیم اسلامی نے جو طریق کار اختیار کیا ہے۔ اس کا بھی مختصر تذکرہ ہے۔ اس طرح اس سے تنظیم اسلامی اور دوسری دینی جماعتوں میں فرق وامتیاز پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔ یہ ایک پیغام اور دعوت بھی ہے۔ ارادہ یہ ہے کہ اس کو پاکستان گیر پیمانہ پر وسیع تر حلقوں میں پھیلا دیا جائے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اسلامی منشور کو لے کر دور و نزدیک معاشرے کے تمام طبقات میں پھیل جائیں۔ شاید ہماری کوشش سے کچھ ایسے باصلاحیت مردان کار اقامت دین کی کٹھن راہ میں ہمارے رفیق سفر بن جائیں جو واقعتہً ہر طرف سے منہ موڑ کر اس کام میں لگ جائیں۔

اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ ہماری کوتاہیوں کو معاف کرے اور ہمیں اس محنت اور ایثار و قربانی کی توفیق عطا فرمائے جو اس راہ پر پیشقدمی کے لئے مطلوب ہے۔ آمین۔

ضرورت رشتہ

ایک دیندار گھرانے کی پابند صوم صلوٰۃ چوبیس سالہ دوشیزہ کے لئے جس نے بی اے تک تعلیم حاصل کی ہے۔ رنگ سانولا ہے، تنظیم اسلامی سے تعلق رکھنے والے حضرات اور دیگر تعلیمیافتہ، دیندار اور پابند صوم وصلوٰۃ حضرات رجوع کریں۔ معرفت: یونس اختر، ۳۶، کے، ماڈل ٹاؤن لاہور

فلاحی ادارہ

متوسط اور دیندار گھرانوں کے لئے موزوں رشتوں کی ماہانہ فہرستیں فلاحی ادارے سے طلب کر کے اپنے رشتہ کا انتخاب خود کریں

برائے رابطہ:- فلاحی ادارہ پوسٹ بکس نمبر ۱۱۱ / مکتبہ اسلامی کورٹ روڈ، حیدرآباد سندھ

افکار و آراء

مسلمان خواتین کی جنگوں میں شرکت

صوبائی وزیر ساجدہ نیر عابدی صاحبہ نے ایک انٹرویو میں کہا ہے ۔ کہ جن خواتین نے محاذِ جنگ پر نمایاں خدمات انجام دیں ۔ وہ بھی برقع پہن کر نہیں لڑیں ۔ درحقیقت صرف اِن ایک محترمہ ہی پر کیا منحصر ہے ماضی میں بہت سے دوسرے لوگوں نے بھی دورِ اوّل میں مسلمان خواتین کی بعض جنگوں میں شرکت کو اسلام میں بے پردگی کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے ان تمام لوگوں کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ آغازِ اسلام میں جنگوں میں عورتوں کی شرکت بعض سیاسی ، حربی ، طبی و دیگر وقتی یا ہنگامی مجبوریوں یا مصلحتوں کی بنا پر جائز سمجھا گیا ۔

(۱) اسلام کے ابتدائی دَور میں مسلمانوں کو ابھی سیاسی استحکام بھی حاصل نہیں ہوا تھا ۔ کہ مخالفین سے جنگوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ شروع ہوگیا ۔ پھر مسلمان بمقابلہ کفار دشمنوں کے تعداد میں بھی بہت کم ہوا کرتے تھے اور ان کے پاس جنگی ساز و سامان و دیگر آلاتِ حرب کی بہت کمی تھی ۔ کفار ہر میدان جنگ میں عورتوں کی کھیپ کی کھیپ اپنے ساتھ لایا کرتے تھے اس عددی قوت اور جنگی ساز و سامان کی کمی کے پیش نظر مسلمان خواتین کی جنگوں میں شرکت کو سیاسی نقطہ نظر سے جائز سمجھا گیا ۔

(۲) ان ایام میں خصوصاً عرب میں طب خانگی تجربہ و عمل تک محدود تھی ۔ عورتیں مردوں سے زیادہ اس فن سے واقفیت رکھتی تھیں اور اس وجہ سے ان کو زخمیوں کی مرہم پٹی وغیرہ کرنے کی اجازت دے دی جایا کرتی تھی ۔

(۳) خواتین کی جنگوں میں شرکت ہمیشہ رسول اللہ کی خصوصی اجازت سے اور اپنے قبیلے یا انتہائی قابل اعتماد افراد کے ساتھ ہوا کرتی تھی ۔ عموماً خواتین کے باپ بھائی حقیقی سرپرست اور اولاد جیسے قریب ترین محرم مرد ہی اُن کو محاذِ جنگ پر اپنے ساتھ لے جایا کرتے تھے ۔

(۴) میدان جنگ میں خواتین کی خدمات کا دائرہ بھی اُن کے اپنے عزیز و اقارب تک محدود رہتا تھا اور اگر کبھی کسی نامحرم مجاہد سے واسطہ پڑ بھی جاتا تو خواتین اپنا بدن اُس مجاہد کے جسم سے مس نہ ہونے دیتی تھیں ۔ الّا یہ کہ ایسا کرنا ناگزیر ہوجاتا ، شرح مسلم ۲۸ ص ۱۱۴)

(۵) مسلمانوں کی پوری تاریخ میں خواتین کی جہاد میں شامل ہونے کی باقاعدہ دعوت یا ترغیب نہیں دی جاتی تھی ، بلکہ اس کے برعکس جب کبھی بھی خواتین کی طرف سے اس قسم کی خواہش کا اظہار کیا جاتا تو حوصلہ شکنی ہی کی جاتی تھی شرح بن زیادہ اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ

کے ساتھ جنگ خیبر کے لئے روانہ ہوئیں تو ان کے ساتھ دوسری پانچ عورتیں بھی تھیں، اُن کا بیان ہے کہ اس کی خبر جب آپؐ کو ہوئی۔ تو آپؐ نے ایک شخص کو بھیج کر ہمیں طلب کر لیا۔ ہم حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپؐ کے چہرۂ مبارکہ پر غصے کے آثار ہیں۔ آپؐ نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: تم کس کے ساتھ گھر سے نکلیں اور کس کی اجازت سے نکلیں؟ (مسند احمد جلد ۵ ص۲۷۱)

(۶) جب حضرت عائشہؓ نے جنگ جمل میں شرکت کا فیصلہ کیا تو حضرت اُم سلمہؓ نے انہیں ایک خط لکھا آپ کی حیثیت رسول اللہ اور امت کے درمیان ایک دروازے کی ہے اور آپ کا حجاب گویا اُس پر حرمت کا پردہ ہے۔ اللہ نے آپ کو اپنے گھر میں بٹھایا ہے اسے چھوڑ کر میدان میں نہ چلی آئیے۔ عورتوں کا جہاد اور ان کے لئے انتہائی محبوب بات یہ ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنا دامن سمیٹے رہیں۔

احمد بن حنبل نے روائد الزہد میں اور ابن المنذر ابن ابی شیبہ اور ابن سعد نے اپنی کتابوں میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عائشہؓ جب تلاوت قرآن کرتے ہوئے اس آیت "وقرن فی بیوتکن" پر پہنچتی تھیں تو بے اختیار رو پڑتی تھیں یہاں تک کہ ان کا دوپٹہ بھیگ جاتا تھا کیوں کہ اس پر انہیں جنگ جمل میں شرکت کا فیصلہ یاد آجاتا تھا۔ پھر یہ شرکت بے پردہ ہو کر نہیں بلکہ ہودج (محمل) میں بیٹھ کر کی تھی۔ جب حضورؐ اکرم حضرت عائشہ صدیقہؓ کو غزوہ بنی مصطلق میں اپنے ہمراہ لے گئے۔ تو اُس وقت بھی ہودج (محمل) میں سوار تھیں۔

الغرض مسلمان خواتین کی غزوات اور دیگر جنگوں میں شرکت کسی "اصول" کے تحت نہیں تھی بلکہ یہ ایک استثنائی شکل تھی۔ زیادہ طور پر یہ "شرکت" ستر وحجاب کے احکام کے نزول سے پہلے ثابت ہوتی ہے بعد میں تو ویسے ہی اس شرکت کی ہمیشہ حوصلہ شکنی کی جاتی رہی علاوہ ازیں اسلام دین فطرت ہے یہ کوئی اندھا بہرہ مذہب نہیں ہے اگر آج بھی جنگی حالات پیدا ہو جائیں اور خواتین کا محاذ جنگ پر جا کر خدمت سرانجام دینا ضروری ہو جائے تو اسلام اس میں حارج نہیں ہوگا۔ لیکن اُس صورت میں ہمیں وہ تمام احتیاطی تدابیر اختیار کرنا پڑیں گی۔ کہ جو حضور اکرمؐ کے زمانے میں جاتی تھیں۔ نیز جنگی حالات ختم ہوتے ہی خواتین کو واپس اپنے اصلی محاذ گھر کی جانب لوٹ جانا ہوگا اور پردے کی پابندی پھر سے اپنانی ہوگی۔ استثنائی شکلوں میں اضطراری کیفیات کے سبب شریعت مسلمان مردوں اور عورتوں کے حق میں جو نرمیاں رعایات، چھوٹ یا ڈھیل روا رکھتی ہے سے اصولاً غیر اضطراری صورت حالات میں فائدہ اُٹھانا کسی طور صحیح نہیں قرار دیا جا سکتا ہے مثلاً ایک پیاسا شخص جان بچانے کے لئے شراب پی سکتا ہے تو کیا اُسے ہمیشہ شراب پینے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔؟

آخر میں میں خواتین پر یہ حقیقت واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ماضی میں مسلم خواتین نے برقع

پہن کر بھی جنگوں میں حصّہ لیا ہے اور ایران کی عورتیں آج بھی برقع پہن کر جنگ میں شریک ہوتی ہیں بات صرف ایمان اور ذہن کی ہے، وگرنہ برقع عورت کی زندگی میں کہیں حائل نہیں ہوتا۔

مرسلہ: مظہر علی ادیب

عربی زبان مڈل نہیں، ایف اے تک لازمی قرار دی جاچکی ہے

آپکے مؤقر جریدہ کی وساطت سے میں عربی زبان سے متعلق چند سطور ارسال کر رہا ہوں۔ اُمید ہے کہ میری یہ تحریر کردہ سطور قومی اور تعلیمی لحاظ سے فائدہ مند ثابت ہونگی۔

نہ صرف مذہبی بلکہ معاشی اور سیاسی لحاظ سے بھی عربی زبان کی ضرورت واہمیت کوئی محتاج بیان نہیں ہے۔ خاص طور پر مملکتِ خداداد پاکستان میں کہ جس کی بنیاد ہی دینِ اسلام پر رکھی گئی ہے۔ یہ زبان دینِ اسلام کی زبان، قرآن کی زبان، حدیث کی زبان کتب تفسیر، کتب فقہ کی زبان ہے۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ ہادیٔ برحق ہمارے نبی محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک بھی ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے مذہبی مراکز حرمین شریفین کی زبان بھی ہے۔ حرمین شریفین سے ہمارے رُحانی ہی نہیں مذہبی ہی نہیں بلکہ سیاسی روابط بھی ہیں۔ اُن کا نفع و نقصان ہمارا بھی نفع و نقصان ہے۔

پھر کیا وجہ ہے کہ ہم وہ زبان نہ سکھیں جو ہمارے اور اُن کے روابط کو مضبوط اور مستحکم کرے کوئی قوم اُس وقت تک دوسری قوم سے کما حقہ، استفادہ نہیں کرسکتی جب تک وہ اُس قوم کی زبان سے واقف نہ ہو حالانکہ (المسلم ملۃ واحدۃ) مسلمان ایک قوم ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عربی زبان ہماری مذہبی ہی نہیں قومی زبان بھی ہے۔ البتہ۔ اُردو۔ مُلکی۔ سندھی۔ پنجابی۔ بلوچی اور پشتو علاقائی زبانیں ہیں ابھی کچھ ہی عرصہ پہلے کی بات ہے کہ جب انگریز نے برصغیر میں قدم رکھا تو فوراً ہی قومی زبان اُردو کو نہ صرف پڑھنا اور لکھنا سیکھنا شروع کر دیا بلکہ اس کی ترقی و ترویج کے لئے "ولیم کالج" کی بنیاد رکھی، اور ملک کے مایا ناز اُدبا، شعراء اور مصنفین سے استفادہ کیا گیا۔

اس پر مستزاد یہ کہ ہمیں عربی زبان سے محبت کرنے کی واضح ہدایت حدیث شریف سے بھی ملتی ہے۔ کہ جیسا کہ علامّہ حاکم نے "المستدرک" میں علامہ بیہقی نے "الشعب" میں، علامہ الطبرانی نے "الکبیر" میں اور جامعہ صغیر میں اس حدیث پر درست

اور صحیح کی علامت لگائی ہے، اور روایت کیا ہے۔ کہ

"عربی زبان سے تین وجوہ کی بنا پر محبت کرنا چاہیئے ایک یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عربی ہیں۔ دوئم یہ کہ قرآن عربی ہے اور سوئم یہ کہ اہل جنت کی زبان عربی ہے"۔ (الحدیث)

بنا بریں موجودہ حکومت پاکستان نے اہل پاکستان کے ایک دیرینہ مطالبہ کو ۱۶ اگست ۱۹۸۲ء میں عربی زبان کو جماعت ششم سے بارہویں تک لازمی مضمون کی حیثیت دیکر ایک مستحسن لیکن ناقص اقدام کیا ہے۔ مستحسن اس لئے کہ یہ نفاذ اسلام کی طرف ایک بنیادی اور درست پیش رفت ہے۔ ناقص اس لئے کہ یہ مطالبہ بی۔اے تک لازمی قرار دینے کا تھا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا جیسا کہ انگریزی بی۔اے تک لازمی چلی آرہی ہے سوال انگریزی کی افادیت کا نہیں اور نہ یہ کہ جس کا رزلٹ ۱۸٪ یا ۲۲٪ سے آگے نہیں بڑھا۔ بلکہ لبا اوقات صفر٪ بھی رہا ہے۔ بلکہ سوال عربی زبان کی ترقی و ترویج اور اس کا اصلی مقام دلانے کا ہے۔ لہٰذا حکومت سے یہ مطالبہ ہے کہ اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے۔ نیز عربی کو نفاذِ اسلام کے لئے اپنے خلوص کا مظاہرہ کرتے ہوئے بی اے تک لازمی قرار دیدے۔

تاہم ہر ذی علم، صاحب قلم نیز درد دل رکھنے والے ہر پاکستانی کے لئے لازمی ہے کہ وہ حتی المقدور عربی زبان کے فروغ کے لئے اپنے آپ کو وقف کردے۔ جبکہ بعض اربابِ حل وعقد فروغ عربی کے راستہ میں رکاوٹ بن رہے ہیں، پھر رکاوٹیں کھڑی کی جارہی ہیں نیز معلمین عربی کے لئے مسائل در مسائل پیدا کئے جارہے ہوں تو اس صورت حال میں ان کی ذمہ داری دوچند ہو جاتی ہے۔

رکاوٹ کے سلسلہ میں ایک بات قابل ذکر ہے۔ کہ حکومتِ پاکستان کی وہ چٹھی جس کے ذریعہ عربی زبان کو چھٹی تا بارہویں جماعت لازمی مضمون قرار دیا گیا ہے۔ اسے نہ تو مشتہر کیا جارہا ہے اور نہ ہی اُسے متعلقہ معلمین کے علم میں یہ لایا جارہا ہے۔ چنانچہ برادرم عبدالحق او۔ٹی گورنمنٹ ہائی سکول موسیٰ خیل (میانوالی)، کا روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۲۴ فروری میں شائع شدہ وہ خط شاہدِ عادل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس میں عربی کو بی اے تک لازمی قرار دیے جانے کا مطالبہ کرتے ہوئے موصوف نے گلہ کیا ہے کہ عربی کو حکومت نے صرف مڈل کی سطح تک لازمی قرار دے کر کوئی اچھا کام نہیں کیا ہے۔

نہ صرف مدرس مذکور صاحب کی اطلاع کے لئے بلکہ افسران بالا محکمہ تعلیم کی خصوصی نیز اربابِ حکومت پاکستان کی عمومی اطلاع کے لئے تحریر ہے کہ منسٹری آف ایجوکیشن گورنمنٹ آف پاکستان۔ اسلام آباد کی چٹھی نمبر الیف ۳-۴/۸۲/ ایس ٹی۔ مورخہ ۱۶ $\frac{8}{82}$ کی رو

(بقیہ صہ۹۳ پر)

بقیہ: الہدیٰ

الی اللہ اور داعی الی الخیر کو اِن جذباتی اور نفسیاتی کیفیات اور لمحات سے سابقہ پیش آتا ہے لہذا ہدایت دی جا رہی ہے کہ اگر بربنائے طبع بشری کبھی شیطان کی طرف سے اکساہٹ ہو ہی جائے تب بھی ایک راستہ تمہارے لئے کھلا ہوا ہے۔ ایک پناہ گاہ تمہارے لئے موجود ہے، فوراً اس پناہ گاہ کی طرف لپکو: فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ۔ فوراً اللہ کی پناہ میں آجاؤ۔ اس کی پناہ طلب کرو۔ اِس میں گویا کہ اس بات کی طرف اشارہ ہوگیا جو ہمارے سابقہ درس میں وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ کی تشریح میں بھی بیان ہو چکی ہے کہ کوئی انسان اپنے متعلق یہ نہ سمجھے کہ میں اس مقام پر پہنچ گیا کہ اب اس کیلئے شیطان کی وسوسہ اندازی کا کوئی امکان ہی نہیں ہے، میں ہمیشہ کے لئے مسکون و مامون ہوگیا۔ جب تک انسان عالم بشریت میں ہے، شیطان اپنا وار کرتا ہے۔ اُسے اللہ کی طرف سے یہ چھوٹ ملی ہوئی ہے کہ وہ وسوسہ اندازی کرے: اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ۔ جس کے بارے میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ کَمَجْرَی الدَّمِ۔ شیطان تو انسان کے پورے وجود میں اس طرح سرائت کرجاتا ہے جیسے خون اس کے جسم میں حرکت کرتا ہے۔ لہذا انسان کو ہر وقت اس کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے۔ ہردم چوکس رہنا چاہیئے۔ جوں ہی وہ اس طرح کی کیفیات و جذبات اپنے نفس میں محسوس کرے تو سمجھ لے کہ یہ شیطان کی طرف سے اکساہٹ ہے اور فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ یہ ہے وہ تعلیم اور ہدایت جو اس آئت کے ذریعہ ہمارے سامنے آئی۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ تمہارا پشت پناہ، تمہارا مددگار، تمہارا حامی تو اللہ ہی ہے جو سب کچھ سننے والا ہے، سب کچھ جاننے والا ہے اگر تم اس سے وابستہ رہوگے، تم اسی سے لو لگائے رکھوگے تو وہ تمہاری نصرت و مدد کے لئے ہرآن موجود ہے۔ وہ ازخود سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ اس کے علم سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

دیکھیے! ہمارے اِس سبق کا جو نقطۂ آغاز تھا، بات پھر وہیں پہنچ

گئی : اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا ۔ بات یہاں سے شروع ہوئی۔ بیشک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے ، ہمارا پروردگار، ہمارا پالن ہار ، ہمارا پرورش کنندہ، ہمارا رازق ، اللہ ہے ۔ پھر وہ اس پر جم گئے ؛ اُن کے لئے وعدے ہیں کہ اُن پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے جو اُن کی ہمت بندھاتے ہیں کہ نہ خوف کھاؤ نہ غم اور اندیشہ کرو بلکہ اس جنت کی خوشیاں مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور اس کا اختتام ان الفاظ مبارکہ پر ہو رہا ہے : وَ اِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ۔ اور جب کبھی شیطان کی جانب سے کوئی اکساہٹ، کوئی وسوسہ اندازی محسوس ہو، فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹو، جب بھی کوئی شخص پناہ کے لئے اس کی طرف آتا ہے ، رحمتِ خداوندی اسے پناہ دیتی ہے ۔

یہاں ہمارا یہ سبق ختم ہوتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی صبر کے اِس اعلیٰ وارفع مقام تک پہنچنے کی توفیق عطا فرمائے جو اس سبق کے ذریعہ ہمارے سامنے آئے ہیں - وَاٰخِرُ دَعۡوَانَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝

(نوٹ) افسوس ہے کہ بجلی چلے جانے کے باعث اِس نشست کے سوال وجواب ریکارڈ نہیں ہو سکے ۔ (ادارہ)

(بقیہ : افکار و آراء)

سے عربی زبان چھٹی جماعت سے ایف اے تک لازمی مضمون کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔
باقی رہا یہ مسئلہ کہ اس کی تشہیر کیوں نہیں کی جارہی ہے یا یہ کہ متعلقہ مدرسین کے علم میں یہ بات کیوں نہیں ہے تو بات صاف ہے کہ مملکت خداداد پاکستان میں نوکر شاہی حکومت پاکستان کے ہر اس اقدام کو جو نظام اسلام کی طرف اٹھتا ہے نہ صرف اس کی مخالفت کرتی ہے بلکہ اس اقدام کو سبوتاژ کرنے کی ناکام کوششیں کر دیتی ہے ۔

درحقیقت اس عربی مضمون کے ایف اے ۔ بی اے تک لازمی ہو جانے کی بنا پر اسلام کے بنیادی ماخذ قرآن کو حدیث کو صحیح طور پر سمجھنے والوں کی تعداد بڑھے گی۔ اور یوں نظام اسلام کے چاہنے والوں میں اضافہ ہو گا ۔ لہٰذا نوکر شاہی کا ذہن رکھنے والوں اور بائیں بازو کی دال نہیں گلے گی ۔ والسلام

راؤ محمد ایوب سالک عربک ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول ٹاؤن شپ لاہور ۔ ۴۰

قرآن اکیڈمی کے تحت مختلف تعلیمی اسکیموں میں

نئے داخلوں کا اعلان

دو سالہ تدریسی نصاب

مئی ۱۹۸۴ء میں ہم نے قرآن اکیڈمی میں 'دو سالہ تدریسی نصاب' کے عنوان سے جس دینی تعلیمی اسکیم کا آغاز کیا تھا، الحمدللہ کہ وہ باقاعدگی اور کامیابی سے چل رہی ہے۔ ۸۴ء میں جس گروپ نے قرآن اکیڈمی میں داخلہ لیا تھا اُس نے حال ہی میں اِس دو سالہ نصاب کی کامیابی کے ساتھ تکمیل کر لی ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ ۸۵ء میں جس گروپ کو داخلہ دیا گیا تھا، اُس نے بھی اپنا پہلا تعلیمی سال مکمل کر لیا ہے اور اَب یکم جولائی ۱۹۸۶ء سے اُن کے دوسرے سال کی تدریس کا آغاز ہو جائے گا۔

آئندہ تعلیمی سال میں نئے داخلوں کے بارے میں حسب ذیل فیصلے کیے گئے ہیں:

سال اوّل کی باقاعدہ تعلیم کا آغاز اِن شاء اللہ یکم جولائی ۱۹۸۶ء (۲۳ شوال ۱۴۰۶ھ) سے ہو جائے گا۔ جو حضرات اِس دو سالہ تدریسی نصاب میں داخلے کے خواہش مند ہوں، وہ اپنی درخواستیں زیادہ سے زیادہ ۱۵ جون (۶ شوال) تک مع مکمل تعلیمی کوائف ہمیں ارسال کر دیں۔ واضح رہے کہ اِس اسکیم میں صرف ایم اے۔ ایم ایس سی اور بی اے۔ بی ایس سی کم از کم سیکنڈ ڈویژن میں پاس شدہ طلبہ کو لیا جائے گا۔

— تدریسی اوقات صبح آٹھ تا دوپہر ایک ہوں گے۔ تدریسی اوقات اور ڈسپلن کی پابندی ضروری ہوگی۔ غیر حاضری یا ڈسپلن کی خلاف ورزی پر جرمانے عائد کیے جائیں گے۔

— ایم اے۔ ایم ایس سی کے لیے ماہانہ وظیفہ ۸۰۰/- ہوگا، جبکہ بی اے، بی ایس سی کے لیے وظیفے کی شرح ۶۰۰/- معیّن کی گئی ہے البتہ سیکنڈ ڈویژن پاس ایم اے اسلامیات کو وظیفے کے معاملے میں بی اے بی ایس سی کے کھاتے میں شمار کیا جائیگا

— وظیفے کی رقم میں سے ماہ بماہ ادائیگی صرف ۷۵ فیصد کی ہوگی۔ بقیہ ۲۵ فیصد انجمن کے پاس ان کے حساب میں جمع رہے گا اور کورس کی کامیابی کے ساتھ تکمیل پر یکمشت ادا کر دیا جائے گا۔ جو طالب علم درمیان میں چھوڑ جائیں گے یا اُن کے نامناسب طرزِ عمل یا غیر تسلی بخش رفتارِ کار کی بنا پر اکیڈمی اُن کا اخراج کر دیگی، اُن کی یہ جمع شدہ رقم ضبط کر لی جائے گی۔

سال دوم کی تعلیم کا آغاز بھی اِن شاء اللہ یکم جولائی سے ہو جائے گا۔ اِس میں اصلاً تو وہی لوگ شامل ہوں گے، جنہوں نے قرآن اکیڈمی میں پہلے سال کی کامیابی کے ساتھ تکمیل کر لی ہو — تاہم پہلے سال

میں چونکہ اصل زور (EMPHASIS) عربی زبان کی تحصیل پر تھا لہٰذا سالِ دوم کی کلاس میں ایسے طلبہ کو بھی داخلہ دیا جا سکے گا جو عربی زبان کی اچھی استعداد رکھتے ہوں۔ کم از کم گریجویشن کی شرط یہاں بھی برقرار رہے گی۔ عربی کی استعداد کو جانچنے کی غرض سے داخلہ سے قبل اُن کا بھرپور تحریری امتحان لیا جائے گا۔ اِس کلاس میں شرکت کے خواہشمند طلبہ کی درخواستیں بھی ۶ر شوال تک پہنچ جانی چاہئیں۔ اِن حضرات کے لیے وظیفے کی شرح بھی وہی ہوگی جس کا سطور بالا میں اعلان کیا جا چکا ہے۔

سالِ سوم کی کلاس کا اجرا

مذکرہ بالا دو سالہ تدریسی نصاب کے ساتھ ساتھ اِس سال یکم جولائی سے قرآن اکیڈمی میں علومِ دینیہ کی اعلیٰ تر سطح پر تدریس کے لیے سالِ سوم کی کلاس کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ اِس کلاس میں صرف اُنہی طلبہ کو داخلہ دیا جائے گا جو قرآن اکیڈمی میں دو سالہ تدریسی نصاب کی کامیابی کے ساتھ تکمیل کر چکے ہوں۔ اِس تیسرے سال میں نصابِ تعلیم حسبِ ذیل ہوگا:

(i) حدیث کے ضمن میں 'جامع ترمذی' (مکمل) (ii) عربی نحو کے ذیل میں 'المفصّل'

اور — (iii) عربی اَدب کے ضمن میں 'حماسہ'

نئی تعلیمی اسکیم: قرآن کالج

الحمد للہ کہ اِس سال سے مرکزی انجمن کے تحت قرآن کالج کے نام سے ایک نئی تعلیمی اسکیم کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ پیشِ نظر یہ ہے کہ الیف اے، الیف ایس سی پاس طلبہ کو تین سال میں ایک جانب بی اے کے امتحان کی مناسب تیاری کرادی جائے اور دُوسری جانب عربی صرف و نحو کی بنیاد کو پختہ کر کے پورے قرآن حکیم کا ترجمہ مع مختصر تفسیر اور حدیثِ نبویؐ کا منتخب نصاب پڑھا دیا جائے — توقع ہے کہ اِس اسکیم کے ذریعے تحریکِ رجوع الی القرآن کے مقاصد نہایت عمدگی اور سُرعت کے ساتھ حاصل ہوں گے — اور اس کے لیے امید ہے کہ اچھی صلاحیت و استعداد کے حامل نوجوان بھی مل جائیں گے۔ اِس لیے کہ الیف ایس سی کے امتحان کے بعد کافی تعداد میں ایسے نوجوان طلبہ جنہیں نمبروں کے معمولی فرق کے باعث میڈیکل یا انجنیئرنگ کالج میں داخلہ نہیں ملتا، ان شاء اللہ اِس کورس میں داخلہ لیں گے۔ اِن میں اچھی استعداد کے حامل نوجوانوں کے دینی جذبات کو بھی بروئے کار لایا جا سکتا ہے اور غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل غیر مستطیع نوجوانوں کو وظائف اور دیگر مراعات کے ذریعے بھی راغب کیا جا سکتا ہے۔

اِس اسکیم کے تحت تعلیم کا باقاعدہ آغاز بھی یکم جولائی سے ہو جائے گا۔ شرکت کے خواہشمند طلبہ زیادہ سے زیادہ ۱۵ر جون تک اپنی درخواستیں مع مکمل تعلیمی کوائف ہمیں ارسال کر دیں۔ تفصیلی معلومات کے لیے ذیل کے پتہ پر رابطہ کریں۔

المعلن: ڈاکٹر ابصار احمد، ڈائریکٹر قرآن اکیڈمی ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون ۸۵۲۶۸۳

ایک اہم شہادت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مجھے یہ بات نہایت ہی وثوق اور کلی اعتماد کے ساتھ یاد ہے کہ ۱۹۴۸ء میں جب کہ پاکستان کو قائم ہوئے ایک سال گذر رہا تھا حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت (بمبئی) تشریف لائے۔ میں اس وقت جامعہ اسلامیہ میں مدرس تھا۔ ایک مجلس میں بعض حضرات نے (اس بنا پر کہ حضرت مدنیؒ کا تعلق کانگریس سے تھا اور کانگریس کی سیاست پاکستان کی حامی نہ تھی اور تحریک پاکستان کی مخالف تھی) حضرت مدنیؒ سے پاکستان کے متعلق سوال کیا کہ اب حضرت کی اس کے بارے میں کیا رائے ہے! حضرت اقدسؒ نے اس سوال کے جواب میں جو کلمات فرمائے وہ مجھے آج تک یاد ہیں فرمایا "بھائی! یہ ممکن ہے کہ اگر کسی جگہ مسجد کی تعمیر کرنے کی گفتگو ہو تو اختلاف کیا جا سکتا ہے کہ اس جگہ مسجد تعمیر کی جائے یا نہ کی جائے۔ لیکن جب مسجد بن گئی تو اب کوئی گنجائش اس اختلاف کی نہیں رہ سکتی کہ اس مسجد کو باقی رکھا جائے یا منہدم کیا جائے۔" سبحان اللہ حضرت کے ان الفاظ نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ قیام پاکستان سے قبل اگر کسی عالم اور بزرگ کو اختلاف تھا تو وہ ایک نظری اور اجتہادی اختلاف تھا کہ انگریز کی غلامی سے آزادی کس طرح ممکن ہے۔ لیکن قیام پاکستان کے بعد کسی بھی عالم اور بزرگ نے خواہ اس کا تعلق کانگریس سے تھا۔ کبھی پاکستان کی مخالفت نہیں کی۔ اس مجلس میں حضرت مولانا احمد بزرگؒ، مولانا مفتی اسماعیلؒ و دیگر اکابر علماء موجود تھے۔

محمد مالک کاندھلوی

شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ

ایک اور اعزاز

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے گزشتہ سالوں کی طرح ۸۳-۱۹۸۲ء کے دوران
بھی ہماری بہترین برآمدی کارکردگی اور وطن عزیز کے لیے کثیر زرمبادلہ کمانے پر فیڈریشن آف
پاکستان چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹری کی جانب سے ہم ایک بار پھر

بہترین برآمدی کارکردگی کی ٹرافی

کے مستحق قرار پائے

یہ ٹرافی جناب **جنرل محمد ضیاء الحق** صاحب صدر پاکستان نے ایک پُروقار تقریب میں اپنے ہاتھوں سے ہمیں عطا فرمائی۔

ہمیں خیمے۔ ترپالین اور کینوس کی دیگر مصنوعات کے سب
سے بڑے برآمدکنندگان ہونے کا بجاطور پر شرف حاصل ہے۔

حاجی شیخ نورالدین اینڈ سنز لمیٹڈ

SNDS

پاکستان میں کینوس مصنوعات کے سب سے بڑے برآمد کنندگان

ہیڈ آفس: حفیظ چیمبرز، ۸۵۔ شاہراہ قائد اعظم، لاہور (پاکستان)
فون: ۳۰۶۴۶۸ - ۳۰۵۴۶۹، تار: شاہی خیمہ ٹیلکس: 44543 NOOR PK
ایکسپورٹ آفس: ۶۱۶-۶۱۴ کامرس سینٹر، چھٹی منزل، حسرت موہانی روڈ۔ کراچی (پاکستان)
فون: ۲۱۳۵۴۰ - ۲۱۳۳۸۷، تار: 'TARPAULIN' ٹیلکس: 25480 NOOR PK

Regd. L. No. 7360

MONTHLY "MEESAQ" LAHORE

Vol. 35	JUNE 1986	No. 6

Siddiq Sons Industries Ltd.

Largest Manufacturers & Exporters of :

WATERPROOF COTTON CANVAS, TARPAULINS, TENTS, WEBBING AND OTHER CANVAS PRODUCTS,

HEAD OFFICE :

5-C, 5th FLOOR, SIDCO EVENUE CENTRE
264-R. A. LINES, KARACHI (PAKISTAN)

2 - K GULBERG II, SHAHRAH-E-IQBAL, LAHORE.
TELEFHONE : 870512 880731